اس شمارے کا اہم مضمون
اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ
از: ڈاکٹر اسرار احمد

وَقَدْ أَخَذَ مِيثَاقَكُمْ إِن كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

مرکزی مکتبہ تنظیمِ اسلامی

۳۶-کے ماڈل ٹاؤن ۰ لاہور

PEPSI

MIRINDA

پنجاب بیوریجز کمپنی لمیٹڈ۔ فیصل آباد۔ فون: ۲۶۰۳۶ / ۲۳۹۲۱

وَاذْكُرُوا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖۤ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اس میثاق کو یاد رکھو جو اس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

ماہنامہ میثاق لاہور

جلد — ۳۵

شمارہ — ۵

مئی ۱۹۸۶ء

بمطابق

رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ

زرِ سالانہ
۴۰/- روپے

فی شمارہ ۴/۰۰ روپے

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

ادارۂ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

حافظ عاکف سعید

مکتبہ تنظیم اسلامی ۳۶ کے ماڈل ٹاؤن

سب آفس: ۱۱-داؤد منزل، نزد آرام باغ، شاہراہ لیاقت کراچی: فون ۲۱۶۵۸۲

مشمولات

⊕ عرضِ احوال ———— ۹
———— شیخ جمیل الرحمٰن

⊕ تذکرہ و تبصرہ ———— ۱۷
موجودہ سیاسی حالات میں سیاسی و دینی جماعتوں کے لیے راہِ عمل
———— ڈاکٹر اسرار احمد

⊕ فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ ———— ۲۹
———— ڈاکٹر اسرار احمد

⊕ الہدیٰ (۳۱ ویں نشست) ———— ۵۳
دحفظِ عظیم، سورۃ حٰمٓ السجدہ کی آیات کی روشنی میں
———— ڈاکٹر اسرار احمد

⊕ روزہ، قرآن اور دعا ———— ۶۵
———— ڈاکٹر عبدالسمیع

⊕ اسلامی انقلاب: مراحل، مدارج اور لوازم ———— ۷۱
فتحِ مبین، صلحِ حدیبیہ
———— ڈاکٹر اسرار احمد

⊕ تنظیمِ اسلامی کا گیارہواں سالانہ اجتماع
ایک جائزہ اور اہم فیصلوں کا اعلان ———— ۸۴
———— چودھری غلام محمد

⊕ ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ کی شرعی حیثیت ———— ۸۵
———— مولانا مدنی میاں

⊕ تنظیمِ اسلامی کے رفقاء کی ذمہ داریاں اور اُن کے مسائل ۹۳
———— مرزا محمد ایوب بیگ

رمضان المبارک کا بہترین تحفہ

ڈاکٹر اسرار احمد کی

مقبول عام تالیف

مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق

❖ خود پڑھیے اور دوستوں اور عزیزوں کو تحفۃً پیش کیجیے

❖ ماہِ رمضان میں اہل و عیال اور اعزّہ و اقارب کے ساتھ اجتماعی مطالعہ کیجیے

• انگریزی ایڈیشن	قیمت ۵ روپے
• عربی ایڈیشن	قیمت ۵ روپے
• فارسی ایڈیشن	قیمت ٦ روپے

مرکزی انجمن خدّام القرآن لاہور

٣٦ ۔ کے ۔ ماڈل ٹاؤن لاہور

الحمد للہ کہ ماہِ رمضان المبارک میں نمازِ تراویح کے ساتھ

دورۂ ترجمۂ قرآن مجید

کا رُوح پرور پروگرام

جو گذشتہ دو سال صرف جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، ماڈل ٹاؤن لاہور میں جاری رہا

اِس سال - اِن شاء اللہ

کراچی اور لاہور میں تین مقامات پر منعقد ہوگا:

(۱)

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں

پروفیسر حافظ احمد یار صاحب

ترجمہ بیان فرمائیں گے، اور —

(۲)

مرکزی دفتر، تنظیم اسلامی پاکستان:

۶۷ - اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو، لاہور میں

یہ ذمہ داری **ڈاکٹر عبد الخالق صاحب** ادا کریں گے!

لاہور کے احباب سے استدعا ہے کہ حسبِ سابق ذوق و شوق سے شرکت فرمائیں

نوٹ

دونوں مقامات پر خواتین کے لیے بھی اہتمام ہوگا

جامع مسجد، بلاک ۵، ناظم آباد، کراچی میں

نماز تراویح کے ساتھ ترجمۂ قرآن

امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

بیان کریں گے ــــ جس کے ضمن میں حسبِ ذیل امور لائق توجہ ہیں:

(۱) یہ مسجد ناظم آباد اور شمالی ناظم آباد کے سنگم پر واقع ہے۔ اِس کے لیے ایک راستہ ریل کے پل سے قبل ناظم آباد بلاک ۵ سے ہوکر جاتا ہے۔ اور دوسرا اور آسان تر راستہ پل سے نارتھ ناظم آباد کی جانب اُترتے ہی بائیں ہاتھ پر واقع جناح کالج کے ساتھ جاتا ہے چنانچہ جناح کالج کے دونوں جانب کی سڑکیں سیدھی اِس مسجد تک جاتی ہیں۔

(۲) اِس مسجد میں دورۂ ترجمہ ان شاء اللہ، ۱۰ر اور ۱۱ر مئی کی درمیانی شب سے شروع ہوگا (خواہ وہ رمضان المبارک کی پہلی شب ہو خواہ دوسری!)

(۳) ۹ر اور ۱۰ر مئی کی درمیانی شب کو اگر چاند نہ ہُوا تو بعد نماز عشاء اور اگر چاند ہوگیا تو بعد نماز تراویح (جو اِس رات بغیر ترجمہ کے ہوگی) ڈاکٹر صاحب ان شاء اللہ

عظمتِ رمضان و صوم و قرآن

کے موضوع پر خطاب فرمائیں گے ــ شرکت کی عام دعوت ہے

نوٹ: جملہ پروگراموں میں خواتین کی شرکت کے لیے اہتمام ہوگا۔

اِس پروگرام کے ضمن میں کراچی کے صاحبِ ذوق احباب کی خدمت میں صرف یہ عرض ہے کہ

ع لذتِ ایں بادہ نہ دانی، بخدا تا نہ چشی!

تنظیمِ اسلامی کی شمالی امریکہ کی دو۲ شاخوں

ٹورنٹو اور شکاگو

کے احباب کے پُرزور اصرار پر

اِن شاء اللہ العزیز — اس سال — امیرِ تنظیمِ اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد

۱۵ر جولائی تا ۱۰ر اگست ۸۶ء امریکہ کا دورہ فرمائیں گے

مجوزہ پروگرام — اِن شاء اللہ العزیز — حسب ذیل ہوگا:

— ★ ورود نیویارک (J.F.K) منگل، ۱۵ر جولائی، سہ پہر بذریعہ پی آئی اے، فلائٹ پی کے ۳۰۷

— ★ قیام نیویارک .... ۱۶ر، ۱۷ر جولائی

برمکان رفیقِ مکرم الطاف احمد صاحب

84-85 STREET 162, JAMICA HILLS,

N.Y. 11432 (Ph. 212-297-0927)

— ★ سفر نیویارک تا ٹورنٹو — جمعہ ۱۸ر جولائی علی الصبح

— ★ قیام ٹورنٹو، ۱۸ر تا ۲۰ر جولائی ۸۶ء

اس دوران میں نمازِ جمعہ اور جمعہ کی شام، ہفتہ صبح و شام اور اتوار کی صبح دروس و خطابات بوسٹیڈ ایونیو کی جامع مسجد میں ہونگے

— ★ تربیتی کیمپ ۲۱ر تا ۲۵ر جولائی۔ ٹورنٹو کے قریب ایک پارک میں

— ★ ہفتہ ۲۶ر و اتوار ۲۷ر جولائی مانٹریال میں پروگرام ہوں گے۔

(نوٹ: کینیڈا کے پروگراموں کے سلسلے میں معلومات کے لیے رفیق مکرم
ڈاکٹر عبدالفتاح صاحب سے حسب ذیل پتہ پر رجوع کیا جاسکتا ہے:

417, WARRINGTON DRIVE,
WATERLOO ONT. N2L2P7
(Ph. 519-886-5463)

— ★ مانٹریال تا شکاگو — اتوار ۲۷ر جولائی شام
— ★ ۲۸ر تا ۳۱ر جولائی آرام شکاگو یا سفر سان فرانسسکو
— ★ یکم تا ۷ر اگست ۱۹۸۶ء انڈیانا پولس میں واقع اسلامک سوسائٹی آف نارتھ امریکا (ISNA) کے مرکز میں ایک دعوتی کیمپ منعقد ہوگا!
— ★ جمعہ ۸ر کی شام اور ہفتہ ۹ر کی صبح شکاگو میں خطاب ہوں گے

(نوٹ: متذکرہ بالا جملہ پروگراموں کے ضمن میں رفیق مکرم ڈاکٹر خورشید احمد ملک سے حسب ذیل پتے پر تفصیلات معلوم کی جاسکتی ہیں

810, St. No. 73
DOWNERS GROVE ILL. 60516
(Ph. 312-969-6755)

— ★ شکاگو تا نیویارک — ہفتہ ۹ر اگست، سہ پہر
— ★ واپسی از نیویارک اسی روز بذریعہ پی آئی اے فلائٹ پی کے ۷۱۲ ساڑھے دس بجے شب۔

اگر اللہ کو منظور ہوا، اور ویزا کے حصول میں رکاوٹ نہ ہوئی تو اتوار ۱۰ر اگست کو قاہرہ سے رُخ جانب حرمین شریفین مُڑ جائے گا اور حج بیت اللہ اور زیارت مسجد نبوی علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام سے مشرف ہو کر جمعہ ۲۲ر اگست کو علی الصبح لاہور واپسی ہوگی۔

(نوٹ: اِس پورے سفر میں اِن شاء اللہ العزیز زیرِ دستخطی بھی ڈاکٹر صاحب کے ہمراہ ہوگا)

المعلن: قمر سعید قریشی، قیم تنظیم اسلامی بیرون پاکستان

ٹینٹ اور ترپال

بنانے کا
ممتاز ادارہ

ایچ نظام دین
اینڈ سنز

مرکزی دفتر
محمد بن قاسم روڈ۔ کراچی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جمیل الرحمٰن

عرضِ احوال

نحمدہٗ ونصلّی علیٰ رسولہ الکریم

جس وقت "میثاق" کا شمارہ بابت مئی ۸۶ء مطابق رمضان المبارک ۱۴۰۶ھ قارئین کرام کے ہاتھوں میں پہنچے گا تو اس وقت تک رمضان کا وہ مہینہ سایہ فگن ہو چکا ہو گا یا ہونے والا ہو گا جس کی خبر الصادق والمصدوق جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے مہینہ کے آخری دن ایک خطبہ میں دی تھی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ: "لوگو! تم پر ایک عظمت و برکت والا مہینہ سایہ فگن ہونے والا ہے۔

اس کی ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے اس کے روزے فرض ہیں رات کا قیام نفل ہے۔ اس مہینہ کے نوافل پر دوسرے مہینوں کے فرض کے برابر اور فرائض پر ستر فرضوں کے برابر ثواب ملے گا۔ یہ صبر کا مہینہ ہے، صبر کا بدلہ جنت ہے۔ یہ ہمدردی اور غم خواری کا مہینہ ہے اِس مہینہ کے پہلے عشرے میں رحمت ہے، دوسرے عشرے میں مغفرت ہے اور آخری عشرے میں دوزخ سے چھٹکارا ہے۔"

یہ برکاتِ الٰہی کا مہینہ ہے۔ قرآن مجید نے اس مہینہ کی خصوصیت "تقویٰ" قرار دی ہے۔ یعنی اس ماہ کے روزوں سے ایک مسلمان میں ضبطِ نفس کی خُو پروان چڑھتی ہے اور معصیتوں سے بچنے کے لیے اس کی قوتِ ارادی مضبوط ہوتی ہے۔ مزید برآں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی ہے کہ جس کسی نے رمضان کے روزے ایمان و احتساب کے ساتھ رکھے، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے، اور جس نے رمضان کی راتوں میں قیام کیا، ایمان و احتساب کے ساتھ۔ اس کے تمام سابقہ گناہ بخش دیے گئے ۔۔۔ ایمان واحتساب روزے کے لیے لازمی شرائط ہیں۔ دراصل یہ تقویٰ ہی کی شرح ہے۔ تقویٰ مستلزم ہے ایمان و احتساب کو۔ جب یہ یقین ہو کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو اپنی ذاتِ اقدس اور

صفاتِ کمال میں یکتا اور تنہا ہے ۔ اور وہ اکیلا اس کائنات کا قیوم و مدبر ہے اور آخرت میں ہر ذی نفس کو اس تعالیٰ کے حضور میں محاسبہ کے لیے لازماً کھڑا ہونا ہے، تو اس کے دل میں اللہ کی نافرمانیوں سے بچنے، اس کے احکام کو ماننے اور اس کے اوامر پر عمل پیرا ہونے کے لیے ایک زبردست قوتِ ارادی رمضان کے روزوں کے ذریعہ پروان چڑھتی ہے نشو و نما پاتی ہے۔ جس کے سہارے وہ آنے والے گیارہ مہینوں میں نفس کے منہ زور گھوڑے کو لگام دینے کے قابل ہو جاتا ہے اور اس میں تقویٰ کی صلاحیت و اہلیت راسخ ہو جاتی ہے۔ الغرض رمضان کے ایمان و احتساب کے ساتھ روزے ایک مسلمان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کی مشق کراتے ہیں جو سیرت و کردار کی صحیح و سالم تعمیر کے لیے از حد ضروری ہے۔ رمضان المبارک کے دن کے روزوں اور رات کے قیام میں احادیث کا عظیم ترین پہلو یہ ہے کہ ان سے رب اور بندے کے درمیان ایک خاص نوع کا تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "روزہ میرے لیے ہے اور میں ہی اس کی جزا ہوں"۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو رمضان المبارک کی برکات سے صحیح طور پر استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ان کے اذہان و قلوب کو تقویٰ اختیار کرنے کا عادی و خوگر بنائے۔

قارئینِ میثاق کی یادداشت میں یقیناً یہ بات محفوظ ہو گی کہ جہاں پورے عالمِ اسلام میں رمضان کے بابرکت مہینہ کی آمد کی بہار سے بھی زیادہ پذیرائی ہوتی ہے۔ تمام مساجد کی رونقیں عروج پر ہوتی ہیں۔ بالخصوص عشاء کے بعد مساجد میں تراویح میں حفاظ کرام قرآن مجید سناتے ہیں وہاں قرآن اکیڈمی میں بھی اس بابرکت ماہ کی خوب پذیرائی اور علم و عرفان کی بارش ہوتی ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب سے قرآن اکیڈمی کی مسجد جامع قرآن میں نماز تراویح شروع ہوئی ہے تب سے امیرِ محترم کا ۸۳ء تک یہ معمول رہا ہے کہ ہر ترویحہ میں موصوف تلاوت کردہ حصے کے اہم مطالب و مفاہیم بیان فرمایا کرتے تھے لیکن ۸۴ء اور ۸۵ء کے رمضان المبارک میں ہر ترویحہ (چار رکعات کے درمیان وقفہ میں) امیرِ محترم نے دورۂ ترجمۂ قرآن کے طور پر تلاوت کردہ حصہ کا ترجمہ بھی بیان فرمایا اور

اہم ترین آیات کی مختصر تشریح بھی۔ اس طرح ہر دو سالوں میں روزانہ تراویح اور ترجمہ و تشریح قریباً ساڑھے تین گھنٹے میں ختم ہوتی تھی۔ مئی اور جون کے شدید ترین گرم موسم کے باوجود توقع کے خلاف دونوں سالوں کے یہ پروگرام انتہائی کامیاب رہے۔ دونوں سالوں کے ان پروگراموں میں بحمداللہ شرکاء کی تعداد اوسطاً ساڑھے تین سو کے لگ بھگ رہی۔ دونوں سال اس دورۂ ترجمۂ قرآن کو ریکارڈ کر لیا گیا تھا۔ بفضلہ تعالیٰ ان کے کیسٹس پاکستان اور بیرونی ممالک میں خاصی تعداد میں پھیلے ہیں۔ سعودی عرب میں ایک ممتاز تاجر کو جو اصلاً تو برِصغیر کے باشندے ہیں لیکن طویل عرصہ سے وہاں مقیم ہیں اور انہیں وہاں کی مستقل شہریت بھی حاصل ہے، کیسٹس سے اس دورۂ ترجمۂ قرآن کے سننے کا اتفاق ہوا۔ وہ اس سے اس درجہ متاثر ہوئے کہ ٹیلکس کے ذریعہ امیر محترم سے ملاقات کا وقت مانگا اور موصوف کا جواب ملتے ہی دوسرے دن وہ ۸ مارچ کو لاہور تشریف لے آئے اور امیرِ محترم سے ان کی متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ پندرہ روزہ تربیت گاہ جو ۱۲ مارچ سے شروع ہوئی تھی، اس کی اور "استحکامِ پاکستان" کے مذاکرے کی بعض نشستوں میں اور ۲۸ مارچ اور ۴ اپریل کو امیرِ محترم کے خطاباتِ جمعہ میں بھی انہوں نے شرکت کی۔ موصوف امیرِ محترم کے دونوں سالوں کے دورہ ترجمۂ قرآن اور اور دوسرے بہت سے دروس و خطابات کے کیسٹس نیز امیر محترم کے جملہ دروس و خطابات کے ویڈیو کیسٹس سعودی عرب لے گئے ہیں کہ وہ وہاں اردو دان حلقے میں خالصتاً فی اللہ پھیلائیں ________ موصوف محض اسی کام کے لیے لاہور تشریف لائے تھے۔ اس مقصد کے سوا کوئی دوسری غرض ان کے پیشِ نظر نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو استقامت عطا فرمائے، ان کی مساعی کو دین و دنیا میں مشکور فرمائے۔

کراچی میں بعض احباب کی خواہش تھی کہ اس سال رمضان المبارک میں تراویح میں دورۂ ترجمہ قرآن کا یہ اہم اور مفید کام کراچی میں سرانجام دیا جائے۔ اللہ جلّ شانہٗ نے اس خواہش کی تکمیل کی احسن صورت پیدا فرمادی ہے۔ اس کا مفصل اعلان شاملِ اشاعت ہے۔ توقع ہے کہ اہلِ کراچی 'دورۂ ترجمۂ قرآن' کے اس پروگرام سے بھرپور فائدہ اٹھائیں گے۔

غیر جماعتی بنیادوں پر قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے انتخابات، وزیرِ اعظم اور صوبائی وزراءِ اعلیٰ کی "نامزدگیوں" اور مرکزی اور صوبائی کابیناؤں کی تشکیل کے بعد ان اسمبلیوں میں اکثریت نے ایک "سیاسی جماعت" کا لبادہ اوڑھ لیا ہے۔ جو اپنی رُوح کے اعتبار سے "غیر جماعتی انتخاب" کے منافی ہے۔ پھر وزراء حضرات نے "اس سیاسی جماعت" کے زعماء کی حیثیت سے ملک کے مختلف قابلِ لحاظ شہروں کے دورے اور وہاں عوامی سطح پر عوامی جلسوں کے انعقاد کا لامتناہی سلسلہ بھی شروع کر دیا ہے۔ جس میں ہماری معلومات کی حد تک حکومت کے مالی ذرائع اور اثر و رسوخ استعمال ہو رہے ہیں۔ نیز ریاست کے ذرائع ابلاغ ریڈیو اور ٹیلی ویژن ان جلسوں کو نمایاں COVERAGE دے رہے ہیں اور دیگر سیاسی پارٹیوں کے جلسے جلوسوں کو یہ ذرائع ابلاغ بالکل نظر انداز کر رہے ہیں۔ یہ عمل ملک میں صحت مندانہ سیاسی ماحول پیدا کرنے کے ضمن میں انتہائی غیر مفید بلکہ مضر ہے۔ اِس طرزِ عمل سے دوسری پارٹیوں کا جھنجھلاہٹ میں مبتلا ہونا بالکل فطری بات ہے۔ کاش سیاسیات کے یہ معروف اصول و مبادی ہمارے نام نہاد اربابِ اقتدار کو پیشِ نظر رکھنے کی توفیق مل سکے۔

پچھلے دو ماہ سے ملک بھر میں سیاسی جماعتوں کے جلسے اور جلوسوں کا زبردست طوفان آیا ہے۔ اِسی طوفان کا نقطۂ عروج مس بے نظیر بھٹو کا پُرجوش استقبال اور ان کے جلسے جلوس قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اگرچہ ان جلسوں جلوسوں کی تعداد کو مستقبل کے لیے کوئی فیصلہ کن عامل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ اصل میں موجودہ کیفیت کو اس بات سے تشبیہ دی جا سکتی ہے کہ جب کہیں بہت سا پانی جمع ہو جس کو ایک بند نے روک رکھا ہو تو بند ٹوٹتے ہی پانی نہایت زور و شور سے بہتا ہے۔ آٹھ سال تک سیاسی سرگرمیوں پر جو ناروا پابندیاں رہی ہیں یہ جوش و خروش اُس کے ردِ عمل کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ اس سے پیش منظر کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے۔

جنرل یحییٰ کے دور میں ۱۹۷۰ء میں جو الیکشن ہوئے تھے ان کے متعلق عام خیال یہ ہے کہ حکومت کی سطح پر اس سے زیادہ منصفانہ الیکشن نہ اس سے قبل

ہوئے تھے اور نہ ہی مستقبل قریب میں اس کی امید کی جا سکتی ہے۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن کے نتیجہ میں یہ المناک صورتِ حال سامنے آئی تھی کہ ملک کی دینی جماعتیں تقسیم تھیں اور علیحدہ علیحدہ الیکشن میں حصّہ لے رہی تھیں اور "اسلام" کے نام پر ووٹ مانگ رہی تھیں۔ اِس طرزِ عمل سے ایک عامی مسلمان اِس تذبذب میں مبتلا تھا کہ وہ کس دینی جماعت کے "اسلام" کو حقیقی و واقعی اسلام سمجھے اور کس کو ووٹ دے! نتیجہ یہ نکلا کہ اسلامی نظام کے خواہش مندوں کے ووٹ تقسیم ہو گئے اور "روٹی، کپڑا اور مکان" کا نعرہ لے کر اُٹھنے والی پارٹی ڈالے ہوئے صرف ۲/۱ ۳۷ فیصد ووٹوں سے مغربی پاکستان کی سب سے بڑی پارٹی کی حیثیت حاصل کر گئی۔ دوسری جماعتوں کو ڈالے ہوئے ووٹ اگرچہ ۲/۱ ۶۲ فیصد تھے لیکن کوئی جماعت بھی نہ قومی اسمبلی میں اور نہ صوبائی اسمبلیوں میں کوئی مؤثر تعداد حاصل کر سکی۔ ان کی نشستوں کی مجموعی تعداد بھی بمشکل تمام تیس فیصد تھی بلکہ شاید اس سے بھی کم۔

اِس وقت بھی ۱۹۷۰ء جیسا نقشہ سامنے آ رہا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملک کی دینی جماعتیں اُس شکستِ فاش اور ہزیمت سے کوئی سبق لینے اور عبرت پکڑنے کے لیے قطعی آمادہ نہیں ہیں۔ ہر جماعت اپنے طور پر انتخابات کے دنگل میں لنگر لنگوٹ کسنے اور اپنی طاقت کے مظاہرہ میں مصروف ہے۔ اس کا نتیجہ ظاہر ہے کہ وہی نکلے گا جو ۱۹۷۰ء میں برآمد ہو چکا ہے۔ اگر "اسلام" کے نام پر ووٹ مانگنے والی بہت سی دینی جماعتیں ایک دوسرے کے مدِ مقابل الیکشن کے اکھاڑے میں اُتریں، چاہے وہ مڈٹرم الیکشن ہو چاہے موجودہ اسمبلیوں کی مدت پوری ہونے کے بعد ہوں تو جتنی جماعتیں ہوں گی، عام آدمی ہی نہیں بلکہ نئی نسل کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کے اذہان میں یہ خلجان پیدا ہونا قدرتی ہے کہ آخر کتنے "اسلام" ہیں اور اس صورتِ حال پر محترم ڈاکٹر اسرار احمد امیر تنظیم اسلامی نے ۱۱/ اپریل ۱۹۸۶ء میں حالاتِ حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے دینی جماعتوں خاص طور پر جماعتِ اسلامی، جمعیت علمائے پاکستان اور جمعیت علمائے اسلام سے یہ دردمندانہ اپیل کی ہے کہ گو موصوف کے نزدیک حقیقی اسلامی نظام الیکشن کے ذریعہ نہیں آ سکتا، صرف انقلابی طریق کار سے آ سکتا ہے۔ تاہم پاکستان کی سالمیت اور اس کے استحکام نیز اسلامی انقلاب کی راہ ہموار کرنے کے لیے نہایت ضروری

ہے کہ یہ دینی جماعتیں متحد ہو کر سیکولرازم کی دلدادہ اور علاقائیت پرستی کی علمبردار جماعتوں کے مقابلہ میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن جائیں ۔۔۔ اگر ایسا نہیں ہُوا تو تاریخ اپنے آپ کو دہرائے گی اور ۷۰ء کی طرح ان دینی جماعتوں کو اب بھی ناک شکست سے سابقہ پیش آئے گا۔ امیر محترم نے یہ بھی فرمایا کہ اگر اتحاد ممکن نہ ہو تو جس دینی جماعت کو اسلام سے جتنی زیادہ محبت ہے اور سلطنتِ خداداد پاکستان کا مستقبل جتنا زیادہ عزیز ہے، اُسے ایثار سے کام لے کر انتخاب کے میدان سے ہٹ جانا چاہیئے تاکہ دینی جماعتوں کے ووٹ تقسیم ہونے کی صورت میں کمی واقع ہو سکے۔ امیر محترم کے اس خطاب کا خلاصہ جناب مقبول الرحیم مفتی صاحب نے کیسٹ سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے جو اسی شمارہ میں قارئین کرام کی نگاہ سے گزرے گا۔ مفتی صاحب ایک کہنہ مشق صحافی ہیں اور کل وقتی قرآن اکیڈمی کے شعبہ تصنیف و تالیف سے وابستہ ہیں۔

امیر محترم نے خطاب کے دوران جہاں دینی جماعتوں سے اتحاد کی اپیل کی وہاں یہ بھی فرمایا تھا کہ اگر اتحاد ممکن نہ ہو تو جس جماعت کو اسلام اور پاکستان زیادہ عزیز ہیں وہ ایثار سے کام لے کر انتخابی معرکہ آرائی کے میدان سے ہٹ جائے۔

اس موقع پر راقم کا ذہن اِس حدیث کی طرف منتقل ہُوا جس میں دو عورتیں ایک بچے کی ماں ہونے کی دعویدار تھیں اور کوئی بھی اس سے دستبردار ہونے پر تیار نہ تھی تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے یہ فیصلہ صادر فرمایا کہ چھری سے اس بچے کے دو ٹکڑے کر کے دونوں دعویدار عورتوں میں تقسیم کر دیئے جائیں اس پر بچے کی سلامتی کی خاطر بچے کی حقیقی ماں اپنے دعوے سے دستبردار ہو گئی۔ راقم نے یہ حدیث نکلوائی جو ہدیہ قارئین ہے۔ اِس حدیث میں ملک کی دینی جماعتوں کے لیے ایک عظیم رہنمائی موجود ہے۔

عن ابی ھریرۃ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال کانت امرأتان معھما ابناھما جاء الذئب فذھب بابن احدھما فقالت صاحبتھا انما ذھب بابنک وقالت الاخریٰ انما ذھب بابنک فتحاکمتا الی

داؤد فقضٰی بہ الکبریٰ فخرجتا علٰی سلیمان
بن داؤد فاخبرتاہ فقال ائتونی بالسکین
اشقہ بینکما فقالت الصغریٰ لاتفعل یرحمک اللہ
ھو ابنھا فقضٰی بہ للصغریٰ (متفق علیہ؛ مشکوٰۃ)

حضرت ابوہریرہ رضؓ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے روایت کرتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے "دو عورتیں تھیں اور ان کے ساتھ ان کا ایک ایک بچّہ بھی تھا کہ ایک بھیڑیا آیا اور ایک بچّے کو اُچک کر لے گیا۔ وہ دونوں عورتیں آپس میں جھگڑنے لگیں کہ بھیڑیا تمہارے بچّے کو لے گیا ہے جبکہ دوسری عورت یہ کہنے لگی کہ تمہارے بچّے کو بھیڑیا لے گیا ہے۔ وہ یہ مسئلہ لے کر حضرت داؤدؑ کے پاس حاضر ہوئیں۔ آپؑ نے دونوں کی باتیں سُن کر بڑی عورت کے حق میں فیصلہ دیا۔ وہ دونوں وہاں سے حضرت سلیمانؑ کے پاس آئیں۔ انہوں نے ان دونوں کی باتیں سن کر فرمایا کہ ایک چھری لاؤ میں اس کو دو حصّوں میں کرکے تمہارے درمیان تقسیم کر دیتا ہوں۔ یہ فیصلہ سُن کر چھوٹی عورت سہم گئی اور اس نے فوراً کہا کہ اللہ آپ پر رحم فرمائے بچّہ آپ اس عورت ہی کو دے دیجئے۔ یہ بات سُن کر حضرت سلیمانؑ نے بچّہ چھوٹی عورت کو دے دیا۔"

۱۴ اپریل کو امریکی سامراج نے مسلم برادر ملک لیبیا پر شدید بمباری کی جس کے نتیجہ میں لیبیا میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا۔ اِس حملہ میں بے شمار بے گناہوں کے ساتھ لیبیا کے سربراہ کرنل معمر قذافی کی لے پالک بیٹی بھی شہید ہوئی اور ان کے دو چھوٹے بچّے بھی شدید زخمی ہوئے۔

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ایک ارشادِ گرامی کا مفہوم یہ ہے کہ "مومن ایک بل سے دو بار ڈسا نہیں جاتا"۔ لیکن عالمِ اسلام کی حالت یہ ہے کہ بعض ممالک امریکہ کی اور بعض روس کی دوستی پر تکیہ کیے بیٹھے ہیں۔ ان دونوں سپر پاورز کی اسلام دشمنی اظہر من الشمس ہے۔ "اسرائیل" کا قیام انہی کی سازش کا نتیجہ ہے۔ پھر ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے شام، اردن اور لبنان کے جن علاقوں پر قبضہ

کیا تھا، ان پر یہ قبضہ انہی طاقتوں کے گٹھ جوڑ کے باعث تاحال برقرار ہے۔ اُدھر لبنان میں امریکہ کی شہ پر اسرائیل، اور عیسائی ملیشیا نے مسلمانوں پر جو ستم کے پہاڑ توڑے اور آگ و خون کی ہولی کھیلی ہے اور اِدھر افغانستان میں روسی افواج کے ہاتھوں افغان مسلمانوں کے خون کی جو ندیاں بہہ رہی ہیں، وہ روزِ روشن کی طرح ظاہر و عیاں ہیں۔ لیکن اس کے باوجود اکثر مسلم ممالک کا حالِ زار یہ ہے کہ انہی دشمنانِ اسلام میں سے کسی نہ کسی سے اپنے مستقبل کو وابستہ اور ان کی دوستی پر بھروسہ کر رکھا ہے۔ لیبیا پر ننگی جارحیت پر امیرِ محترم نے ۱۶ر جون ۸۶ء کو جو اخباری بیان جاری کیا تھا وہ چونکہ صرف لاہور کے اخبارات میں شائع ہوا۔ اور اکثر و بیشتر اس میں قطع و برید کی گئی اس لیے بیان کا مکمل متن قارئینِ میثاق کے مطالعے کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔

"تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے لیبیا پر امریکہ کی ننگی جارحیت کی شدید مذمت کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ مسلمانوں اور اسلام کا کھلا دشمن ہے۔ مسلم ممالک سے اس کی دوستی صرف اسی حد تک ہے، جہاں تک اس سے کمیونزم کی روک تھام میں مدد مل سکے۔ انہوں نے کہا کہ ہر نازک موقعے پر امریکہ نے عالمِ اسلام کو زک پہنچائی ہے۔ مسجدِ اقصیٰ میں یہودیوں کے ناپاک قدم محض امریکہ اور برطانیہ کی ریشہ دوانیوں اور پشت پناہی کی وجہ سے پہنچے ہیں۔ تنظیمِ اسلامی کے امیر نے کہا کہ ملتِ اسلامیہ پاکستان تو امریکہ کی بے وفائیوں سے براہِ راست آشنا ہے۔ جب بھی بھارت نے پاکستان کے خلاف جارحیت کا ارتکاب کیا، خواہ ستمبر ۶۵ء کی جنگ کا موقع تھا یا سقوطِ ڈھاکہ کا سانحہ، امریکہ نے ہمیشہ پشت سے چھرا گھونپنے والے دوست کا کردار ادا کیا ہے۔ انہوں نے کہا اگر ہمارے حکمران خود مختار ہیں اور اُن کی سلطنت کا تخت امریکہ کی پشت پناہی پر بچھا ہوا نہیں ہے تو وہ ہر قومی اور بین الاقوامی فورم پر امریکہ کے خلاف اپنے عوام کے جذبات کی ترجمانی کریں۔ تنظیم اسلامی کے امیر ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ یہ موقع اُن لوگوں کے لیے بھی غور و فکر کا مواد

(باقی صـ۸۹ پر)

موجودہ سیاسی حالات میں سیاسی و دینی جماعتوں کے لیے راہِ عمل

....

جمعہ گیارہ اپریل کو امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے جامع مسجد دارالسلام باغ جناح لاہور میں خطاب جمعہ کے دوران ملک میں شروع ہونے والے سیاسی عمل کا تجزیہ کرتے ہوئے سیاسی و دینی جماعتوں کے لئے ایک قابلِ عمل راستہ تجویز کیا ہے۔ اگر جماعتوں کے قائدین اور علمائے کرام "الدین النصیحۃ" کے طور پر کہی گئی ان باتوں پر غور فرمائیں تو وطنِ عزیز میں استحکام مملکت اسلامی انقلاب اور غلبہ دینِ حق کی منزل بہت قریب آسکتی ہے۔

ترتیب و تلخیص : مقبول الرحیم مفتی

خطبۂ مسنونہ کے بعد

حضرات گذشتہ سترہ اٹھارہ دِن مجھ پر اور تنظیمِ اسلامی کے رفقاء پر ایک طوفانی کیفیت طاری رہی۔ ۲۱ مارچ سے ۳ اپریل ۸۶ء تک قرآن اکیڈمی میں تنظیم کے رفقاء کے لئے تربیت گاہ جاری رہی۔ اس تربیتی پروگرام کی امتیازی خصوصیت یہ تھی کہ اس کے دورانِ شرکاء کو ان یگانۂ روزگار علمائے حق کی صحبتوں سے فیض یاب ہونے کا موقع بھی ملا جنہوں نے اپنی زندگیاں دین کے چمن کی نگہداشت اور آبیاری کے لئے وقف کئے رکھیں اور اب جن کے نفوس قدسیہ "چراغِ آخر شب" کی طرح ہمارے معاشرے کے تاریک ماحول کو علم و عرفان اور ایمان و عمل کی روشنی عطا کر رہے ہیں۔ تربیت گاہ کے آخری سات دنوں میں روزانہ شام کو نمازِ مغرب کے بعد جناح ہال لاہور میں میری تازہ تالیف "استحکام پاکستان" کے حوالے سے انجمن خدام القرآن کے سالانہ محاضرات کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ جن میں ہر طبقۂ خیال کے نامور دانشوروں، اساتذہ کرام علماء کرام

اور دیگر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے اصحاب فکر ونظر نے اظہار خیال کیا۔ ۴ر اپریل سے ۶ر اپریل تک تنظیم کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا اور پھر اجتماع کے آخری دن انجمن خدام القرآن کے سالانہ اجلاس کے ساتھ یہ سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا۔

مَیں اپنی اور اپنے رفقاء کی اس طوفانی کیفیت کا موازنہ اُس طوفان سے کرتا ہوں جو کل ہی اس لاہور میں مِس بے نظیر کے استقبال اور جلسے کی صورت میں آ کر گزر گیا۔ اس طوفان کی وسعت اور اثر پذیری اور اُس کا عوامی رنگ بہت زیادہ ہے۔ جبکہ دوسرا طوفان وہ ہے جو صرف چند سو افراد کی زندگیوں میں آیا۔ لیکن اگر اللہ نے چاہا تو اُس کی شدت اور گیرائی پہلے طوفان کی نسبت بہت دُور رس ہو سکتی ہے۔ یہ دونوں طوفان اس ملک کے مستقبل کے لئے خوش آئند ہیں۔ گذشتہ دس برس سے تنظیم اسلامی کے نام سے اور پندرہ برس سے انجمن خدام القرآن کے نام سے میں اور میرے رفقاء جو کام کر رہے ہیں وہ اس اعتبار سے بہت اُمید افزا ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اب یہ دونوں قافلے چلتے ہوئے قافلے بن چکے ہیں۔ دونوں کا ایک وسیع حلقہ تعارف اور ایک محدود حلقہ اثر وجود میں آ چکا ہے ایسے مخلص افراد کی اچھی خاصی تعداد تیار ہو گئی ہے جنہوں نے اپنا جینا مرنا اس کام سے وابستہ کر لیا ہے۔ تاریخ انسانی کے بڑے بڑے واقعات کی ابتداء عموماً بہت معمولی اور غیر اہم انداز میں ہوتی ہے۔ میرے نزدیک یہ معاملہ بھی کم اہم نہیں ہے ہم نے جو بھی محنت کی ہے اُس کا ایک نتیجہ اللہ نے ہمیں دکھا دیا ہے جس کی وجہ سے اطمینان ہے کہ اللہ تعالےٰ اگر توفیق دے گا اور اسی طور سے ہمارا کام آگے بڑھتا رہا تو ہماری یہ انقلابی جدوجہد اور یہ خدمت قرآنی اب بڑے وسیع پیمانے پر آگے بڑھے گی۔ جہاں تک دوسرے طوفان کا تعلق ہے اُسے بھی میں اس ملک کے مستقبل کے لئے بہت خوش آئند قرار دے رہا ہوں۔ مِس بے نظیر کا پاکستان آنا اور ان کا یہ استقبال ایک بہت بڑا واقعہ ہے ہزاروں لاکھوں افراد بڑے طویل سفر کر کے ان کے استقبال کے لئے آئے۔ پاکستان کی تاریخ میں بے نظیر کے استقبال کا یہ دن ایک سنگِ میل کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا۔ پھر یہ کہ اُس روز جمعیت علمائے پاکستان کا

ایک جلسہ اسی شہر لاہور میں ہوا۔ یہ بات بھی بہت خوش آئند ہے کہ ایک ہی شہر میں دو جماعتوں کے دو جلسے ایک ہی دن اور ایک ہی وقت ہوئے، لیکن کوئی ٹکراؤ نہیں ہوا کوئی سٹریٹ لائٹ نہیں ٹوٹی۔ کسی قسم کی سرکاری غیر سرکاری املاک کو نقصان نہیں پہنچا۔ اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے امید پیدا ہوئی ہے کہ غالباً اللہ تعالیٰ اس ملک کے بارے میں کچھ "خیر" ہی کا ارادہ فرماتے ہوتے ہے اور انشاء اللہ بہتری کی صورت نکل آئے گی۔

گزشتہ نصف صدی میں برصغیر کے مسلمانوں کی سیاست جس میں پاکستان کے چالیس سالہ (قمری) دور کی سیاست بھی شامل ہے — نے اکثر و بیشتر تحریکوں کی شکل اختیار کی ہے لیکن اس سے منظم جماعتیں ابھر کر سامنے نہیں آئیں۔ بدقسمتی سے ایسی کوئی جماعت پیدا نہیں ہو سکی جس کے متعین نظریات ہوں، جس کی صفوں میں متوسلین جماعت کی فطری درجہ بندی (PARTY CADRE) ہو۔ اس معیار کے مطابق مسلم لیگ ایک جماعت نہیں بن سکی۔ مسلم لیگ بھی ایک تحریک تھی۔ ایک جذبہ ایک قائد۔ فوری طور مسلمانوں کی بقا کا مسئلہ سامنے آیا تھا۔ پوری مسلم قوم یہ سمجھ رہی تھی کہ ہندو ہمارے ساتھ انصاف نہیں کرے گا۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ ۱۹۳۷ء کے انتخابات میں کامیابی کے بعد کانگرس کو مسلمانوں کے دل جیتنے کا ایک موقع ملا تھا لیکن انہوں نے اس موقع سے فائدہ اٹھانے کے بجائے اپنے طرز عمل سے مسلمانوں کو یہ یاد کروا دیا کہ جب بھی ہندو اپنی اکثریت کے بل پر ہندوستان میں جمہوری حکومت قائم کرے گا تو اس میں مسلمان کا بھلا نہیں ہو گا۔ اس احساس نے ایک تحریک کی شکل اختیار کر لی۔ مگر حالات نے تحریک کے قائد بانی پاکستان قائد اعظم محمد علی جناح کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اپنی سیاسی جماعت یعنی مسلم لیگ کو بھی ٹھوس بنیادوں پر منظم کرتے۔ ایک طوفانی تحریک کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے پاکستان تو عطا کر دیا۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں باگ ڈور آئی اُن میں اکثریت اُن لوگوں کی تھی جو بالکل آخری وقت میں ہوا کا رُخ بدلنے کے بعد مسلم لیگ میں شامل ہوئے تھے۔ تحریک میں انہوں نے کوئی قربانی نہیں دی تھی جماعت کے ساتھ اُنکی وفاداریوں کا امتحان بھی نہیں ہوا تھا۔ اور ایک مسلم لیگی رہنما کے بقول ؎

نیرنگیِ سیاستِ دوراں تو دیکھیئے　　منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

تحریک قیام پاکستان کے دوران مسلمان کمیونسٹوں یعنی روسی لابی کی ایک اچھی خاصی تعداد بھی مسلم لیگ میں شامل ہوگئی تھی ۔اس ساری صورت حال کا نتیجہ یہ نکلا کہ پاکستان بننے کے بعد مسلم لیگ بتاشے کی طرح گھل گئی اُس کے اکثر و بیشتر مخلص کارکن قیادت کے رنگ ڈھنگ دیکھ کر مایوس ہوگئے ۔غریب کارکنوں کو محسوس ہوا کہ جس کے پاس دولت نہیں مسلم لیگ کی صفوں میں اس کے لئے کوئی گنجائش نہیں ۔سارا کھیل اب زمینداروں جاگیرداروں اور نو دولتیوں کا رہ گیا ہے ۔پھر جوتیوں میں جو دال بٹی وہ بھی سب کو معلوم ہے ۔لیکن صرف جوتیوں میں دال بٹتی تب بھی غنیمت تھی ۔انہوں نے جوتی کو ہی پھاڑ کر دم لیا بلکہ اُس کے ٹکڑے اڑا دیئے پہلے جناح لیگ برآمد ہوئی پھر عوامی لیگ نکلی پھر دونوں کے گٹھ جوڑ سے جناح عوامی لیگ بنی ۔پھر بنتے بگڑتے وہی لوگ کبھی ری پبلکن پارٹی کے روپ میں سامنے آئے پھر وہی چہرے جنرل ایوب کے دور حکومت میں کنونشن لیگ کی زینت بنے اور پھر پیپلز پارٹی بھی انہی کی پناہ گاہ ثابت ہوئی . کوئی تبدیلی ہوئی تو یہ کہ باپ کی جگہ بیٹے نے اور بھائی کی جگہ بھائی نے لے لی ۔پھر فوج نے بار بار مداخلت کرکے سیاسی عمل ہی روک دیا اور یہ بھی ایک طرح سے سیاستدانوں کی ہی ناکامی تھی ورنہ سیاستدانوں اگر بااصول باکردار اور جاندار ہوتے تو کسی فوجی کو مارشل لا لگانے کی ہمت نہ ہوتی ۔

پھر ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کی قیادت میں عوامی دور آیا ۔انہوں نے سیاست کو جاگیرداروں کے ڈرائنگ روموں سے نکال کر عوام تک پہنچا دیا ۔بھٹو مرحوم ایک لحاظ سے پاکستان کی عزت اور پاکستان کے استقلال اور پاکستان کے وقار کا نشان بن کر سیاست کے افق پر اُبھرے اور چھا گئے ۔بھٹو نے وہ طوفان پیدا کیا کہ سیاست کے بڑے بڑے ستون گر گئے ۔اُن کا دوسرا بڑا کام یہ تھا کہ انہوں نے کسانوں اور مزدوروں کو عزت نفس دی اُنہیں یہ احساس دیا کہ ہم بھی انسان ہیں ہمارے بھی حقوق ہیں ۔سیاسی پہلو سے ہٹ کر ان کا تیسرا بڑا کارنامہ قادیانیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینا تھا ۔اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ انہوں نے یہ کام مجبوراً کیا تھا تب بھی اس بات کا کریڈٹ تو اُنہیں جاتا ہے کہ انہوں نے عوامی دباؤ کو محسوس کیا اور اُس کے مطابق فیصلہ کرا دیا ورنہ تین چار ہزار آدمیوں کو مروانے کے بعد بھی وہ یہ کام کر سکتے تھے ۔لیکن یہ کام انہوں نے

ایسے جمہوری اور قانونی طریقے سے کیا کہ اُس میں کوئی خلاء باقی نہیں رہا کسی کے لئے یہ کہنے کا موقع باقی نہیں چھوڑا گیا کہ اُس کا موقف سنے بغیر یکطرفہ فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ (یہ بات الگ ہے کہ جھوٹے نبی کی جھوٹی اُمّت اپنی فطرت کے مطابق اب بھی یہ پروپیگنڈا کر رہی ہے کہ یہ فیصلہ ہمیں سنے بغیر کیا گیا ہے)۔ لیکن بدقسمتی یہ ہوئی کہ بھٹو صاحب اپنے ہی پیدا کئے ہوئے طوفان کو سنبھال نہ سکے۔ لہٰذا نتیجۃً اُس کے منفی اثرات برآمد ہوئے۔ حالات نے یہ ثابت کر دیا کہ اُن میں طوفان کی قوت کو منظم کرنے اور اُسے مثبت کام میں صرف کرنے کی صلاحیت نہیں تھی۔ چنانچہ مزدور اور کسان نے کام کرنا چھوڑ دیا۔ اور سیاست کی باگ ڈور خاص طور پر پنجاب میں جاگیرداروں کے ہاتھ سے نکل کر غنڈوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ ان منفی نتائج کے ساتھ ساتھ بھٹو صاحب منظم جماعت تشکیل دینے میں ناکام رہے۔ بھٹو ازم آج بھی ایک نعرے اور تحریک کی شکل میں تو موجود ہے لیکن پیپلز پارٹی کا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے۔ اُس کی کوکھ سے بھی مسلم لیگ کی طرح کنفیڈریشن والوں کا فرنٹ، مساوات پارٹی، پروگریسو پیپلز پارٹی، عوامی جمہوری محاذ، اور عوامی جمہوری پارٹی جنم لے چکی ہیں۔ خود پیپلز پارٹی کے اندر توڑ پھوڑ کا عمل جاری ہے۔ مس بے نظیر بھٹو سے کھر صاحب اور جتوئی صاحب کے اختلافات اخبارات کے ذریعے سامنے آتے رہتے ہیں۔ اِن حالات میں اب ضرورت اس امر کی ہے کہ سیاست آئے اور شرافت آئے۔ اگر مس بے نظیر یہ کام کر سکیں تو بہت بڑا کام ہوگا۔ سیاست کا مزاج تو عوامی ہی ہونا چاہیئے لیکن وہ سیاست چند اخلاقی اصولوں اور ضابطوں کے تابع ہو۔ سیاسی جماعتیں منظم ہوں لوگوں کی تربیت ہو، کارکن باہم مربوط ہوں، ہر جماعت کا مضبوط حلقہ اثر ہو، قیادت کے اندر فطری درجہ بندی ہو، اوپر آنے اور آگے بڑھنے کے لئے ایک دوسرے کی ٹانگیں نہ کھینچی جائیں، جماعت میں ایک اجتماعی قیادت موجود ہو۔ یہاں یہ فرق پیش نظر رہنا ضروری ہے کہ تحریک کیلئے تو شخصی قیادت بہت ضروری ہوتی ہے لیکن سیاسی جماعتوں کو چلانے کے لئے اجتماعی قیادت درکار ہوتی ہے۔ قائداعظم تحریک پاکستان کے قائد تھے اُن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ آمرانہ مزاج رکھتے تھے لیکن یہ حقیقت نظروں سے اوجھل نہیں ہونی چاہیئے کہ اگر وہ محض جمہوری اصولوں کی پیروی کرتے تو تحریک نہیں چل سکتی تھی۔ لیکن سیاسی جماعتوں کے لیے ہر شعبہ زندگی سے اُبھر کر آنے والی اجتماعی قیادت بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔ سیاسی عمل جتنی تیزی سے آگے بڑھے گا۔ اجتماعی قیادت اتنی ہی تیزی سے اُبھر کر سامنے آئے گی۔ پیپلز

پارٹی کے اندر گروہ بندیاں اور گروپوں کا ٹکراؤ اسی سیاسی عمل کا نتیجہ ہیں۔ چونکہ پیپلز پارٹی کی جڑیں عوام میں سب جماعتوں سے زیادہ ہیں اُس کا عوامی بیس (BASE) سب سے وسیع ہے اس لئے اس میں قیادت کے لئے رسہ کشی کا عمل بھی سب سے زیادہ اور سب سے پہلے سامنے آرہا ہے۔ پھر سیاسی عمل کی رفتار کے ساتھ ساتھ مختلف جماعتوں کے درمیان محاذ آرائی کا عمل بھی آگے بڑھے گا۔ نظریاتی بنیادوں پر، لسانی بنیادوں پر، علاقائی بنیادوں پر اور قومی بنیادوں پر جماعتوں کے اندر اور جماعتوں کے باہر اور جماعتوں کے درمیان رسہ کشی اور گروہ بندیاں ہوں گی۔ ایک پاکستان پر یقین رکھنے والی دائیں بازو کی جماعتیں ایک طرف ہو جائیں گی، علاقائی سوچ اور سوشلسٹ نظریات کی حامل جماعتیں دوسری طرف جمع ہو جائیں گی۔ لیکن اس عمل کے لئے کچھ وقت درکار ہوگا اور اس کی رفتار کا انحصار بہر حال سیاسی عمل کی رفتار اور پیش رفت کے ساتھ منسلک ہے۔ اس پہلو سے سیاسی عمل کا آغاز اور اُس میں پیپلز پارٹی اور بے نظیر کو اپنا کردار ادا کرنے کی آزادی بہت حوصلہ افزا اور خوش آئند ہیں۔

اس سے پہلے ریفرنڈم اور غیر جماعتی انتخابات کی صورت میں جو سیاسی عمل ہوا تھا اُس کے بارے میں میری رائے کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ صدر ضیاء الحق کا ریفرنڈم تو سو فیصد ایک فراڈ اور ایک دھوکا تھا۔ اُس کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ۱۹۸۵ء کا الیکشن جس کے نتیجے میں موجودہ اسمبلی اور سول حکومت وجود میں آئی ہے وہ بھی دو واعتبار سے محلِ نظر ہے اوّل تو یہ کہ اس میں ملک کے بااثر سیاسی حلقے شریک نہیں تھے جس کی وجہ سے اُس کے نتائج سے عوام کی صحیح نمائندگی اور رائے سامنے نہیں آئی۔ دوسرے خود صدر مملکت نے اپنے ہی نافذ کئے ہوئے انتخابی قوانین کے باوجود یہ کہہ کر کہ جس نے جتنا روپیہ خرچ کیا ہے اُس کا کسی سے حساب نہیں لیا جائے گا اُنکی اخلاقی حیثیت کو بھی مجروح کر دیا ہے۔ اس طرح گویا صدر صاحب نے اس بات کو جائز قرار دے دیا کہ لوگوں کے ایمان خریدیں جائیں۔ میرے نزدیک ایمان اور ووٹ میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے "کہ جس سے مشورہ لیا جائے وہ امانت دار ہے" اور امانت کا تعلق ایمان سے جیسا کہ اقوال رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہر ہے کہ "جو امانتدار نہیں اُس کا ایمان نہیں" اور "جس میں ایفائے عہد نہیں اُس کا دین نہیں" اس اعتبار سے ووٹ کا تعلق دین سے ہے۔ اب اگر ووٹ کھینچنے کے لئے دولت صرف کی جارہی

ہے تو یہ اصل میں لوگوں کے ایمان خریدنے والا معاملہ ہے - اس مکروہ فعل کو بھی قانونی حیثیت دے دی گئی تو سیاسی اور اخلاقی دونوں اعتبار سے اِن انتخابات کا دیوالیہ نکل گیا۔ صرف ایک مثبت پہلو رہ جاتا ہے اور وہ صرف یہ کہ الیکشن کے وقت حکومت غیر جانبدار رہی - جو لوگ منتخب ہوتے اُن میں وہ بھی تھے جنہوں نے کروڑوں روپے خرچ کئے تھے کچھ ایسے بھی تھے جنہوں نے اپنی محنت اور صلاحیت سے ووٹ حاصل کئے تھے اس لئے میں نے اُس وقت اِس خیال کا اظہار کیا تھا کہ یہ لوگ ربڑ سٹمپ تو ثابت نہیں ہوں گے۔ کچھ نہ کچھ وہ موجودہ مارشل لا سے اور حکومت سے اختیارات کی کھینچ تان کریں گے کچھ یہ کہ جن لوگوں نے الیکشن میں حصہ نہیں لیا وہ باہر سے زور لگائیں گے اس طریقے سے اُمید کی جا سکتی ہے اسمبلی کے اندر اور باہر دو طرفہ کوشش اور جدوجہد کے نتیجے میں سیاست کی گاڑی ایک تدریجی انداز سے اپنی پٹڑی پر واپس آجائے اور اگر کوئی غیر معمولی صورت حال پیدا نہ ہو تو ہم کسی دھماکہ خیز عمل سے بچ جائیں کیونکہ سیاسی عمل کے صحیح نہج پر نہ چلنے کے باعث حالات مخدوش رہتے ہیں اور ان حالات میں کوئی بات یقینی نہیں ہوتی۔ اچھا نتیجہ بھی نکل سکتا ہے اور بُرا بھی - باہر سے مداخلت بھی ہو سکتی ہے اور ملک کسی نئے جرنیل کی مہم جوئی کا نشانہ بھی بن سکتا ہے -

مِس بے نظیر کے پاکستان آنے سے آٹھ دس روز پہلے کے بیانات سے اور کل اُن کے استقبالی جلوس سے یہ اشارہ تو مل رہا ہے کہ فوری طور کوئی ہنگامہ کھڑا کرنا یا حکومت کے لئے امن و امان کا مسئلہ پیدا کرنا ان کے پیش نظر نہیں ہے - اندازہ یہی ہے کہ سُپر پاورز سے بھی ان کی یہی مفاہمت ہوئی ہے کہ انہیں سیاست کرنے کا بھرپور موقعہ دیا جائے پھر عوام جس کے حق میں فیصلہ دیں اُسے حکومت کرنے کا موقعہ ملنا چاہیئے - اور اگر یہ اندازہ درست ہے تو ملک و قوم کے حق میں بہت اچھا ہے - اگر دونوں سپر پاورز سے لائن کلیئر کا سگنل ملا ہے تب بھی بہت بہتر ہے - ایران کا بھی بالکل یہی معاملہ ہے دونوں بڑی طاقتوں کی کشمکش نے اُسے پھلنے پھولنے کا موقع دیا ہے - دونوں طاقتوں کے درمیان کشاکش اور توازن نے ایرانیوں کو موقع دیا ہے کہ وہ کچھ کر کے دکھائیں - وہ کیا کر رہے ہیں یہ اس وقت ہمارا موضوع بحث نہیں -

اسی طریقے سے اگر دونوں سپر پاورز کی کشمکش مس بے نظیر کو موقع دیتی ہے تو وہ صورتحال بھی پیش آسکتی ہے جو فلپائن میں پیش آئی تھی لیکن ابھی معاملات کو واضح

ہونے میں کچھ وقت لگے گا۔ اصل میں مس بے نظیر کے سامنے اور پیپلز پارٹی کے تمام لیڈروں کے سامنے یہ چیلنج ہے کہ وہ ایک سیاسی جماعت وجود میں لاسکتے ہیں یا نہیں۔ جلسہ اور جلوس کی شکل میں اتنا بڑا مظاہرہ کرنا فیصلہ کن بات نہیں۔ فیصلہ کن بات یہ ہوگی کہ وہ اپنے آپ کو ایک منظم اور با اصول سیاسی جماعت بنا کر دکھائیں اور یہ بات صرف ایک جماعت کے لئے نہیں سب جماعتوں کے لئے ہے۔ اگر سیاسی عمل ان صحت مند خطوط پر قائم ہوتا ہے چلتا ہے تو یہ ملک کے لئے اور قوم کے لئے فالِ نیک ہے۔ میں ۸۲ء سے مسلسل کہہ رہا ہوں۔ اور میں نے صدر ضیاء صاحب کو اپنے خط میں بھی یہی بات لکھی تھی کہ سیاسی عمل کی گاڑی کو روکنا بہت خوفناک کام ہے۔ آپ نے اسلام کے نام پر اس کو روک رکھا ہے اور اسلام کا ذرہ برابر کام آپ نہیں کر رہے ہے اسلام کا کام کرتے تو اُس کی برکات ظاہر ہوتیں۔ لیکن بدنصیبی قوم کی بھی اور صدر ضیاء الحق کی بھی کہ اللہ نے انہیں موقعہ دیا تھا، وہ عمرؓ بن عبدالعزیز بھی بن سکتے تھے تاریخ کے دھارے کا رُخ بدل کر تاریخ میں اپنا نام سنہری حروف سے لکھوا سکتے تھے۔ لیکن انہوں نے یہ موقع ضائع کر دیا۔ آٹھ برس اُنہوں نے اسلام کی جڑیں کھودی ہیں اسلام کو کوئی تقویت نہیں پہنچائی۔ اب تو تاریخ میں اُن کا نام ایک بدنصیب اور ناکام حکمران کے طور پر لکھا جائے گا۔ اب تو اس ملک کی بقاء کا چیلنج سیاستدانوں کے سامنے ہے اگر وہ وقتی ہنگامہ آرائیوں سے دامن بچا کر اپنی جماعتوں کو جمہوری عمل کے لئے تیار کرتے ہیں عوام کی سیاسی تربیت کرتے ہیں اُن کے مسائل کا مطالعہ کر کے اپنے منشور پیش کرتے ہیں انتخابات منعقد ہوتے ہیں اور اقتدار عوام کے نمائندوں کو ملتا ہے تو قوم ایک فوری بحران سے بچ سکتی ہے۔ اسلام کا معاملہ اس سے بالکل الگ ہے۔ اگرچہ بدرجہ آخر اس ملک کی بقاء تو اسلام سے ہی وابستہ ہے لیکن فوری طور اس ملک کی بقاء کا تقاضا ہے کہ سیاسی بے اطمینانی کو ختم کیا جائے۔ ہمارے دشمنوں نے مشرقی پاکستان میں پائی جانے والی سیاسی بے اطمینانی کو استعمال کر کے ہی تو ملک توڑا تھا۔ اب پھر اُسی طرح کے احساسات چھوٹے صوبوں میں اور بالخصوص سندھ میں پلتے جاتے ہیں اور سندھ پاکستان کا دوسرا بڑا صوبہ ہے جس طرح بیمار کو جب شدید بخار ہو جائے تو طبیب بخار کے اصل اسباب کا علاج کرنے سے پہلے مریض کے درجہ حرارت کو معمول پہ لانے کی کوشش کرتا ہے بالکل اسی طرح اب

سیاسی محرومیوں نے جو سرسامی کیفیت پیدا کر دی ہے اوّلاً اُس کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ دیگر اسباب کا دیر یا علاج بعد میں ہوتا رہے گا۔ ایک بھرپور سیاسی عمل دراصل اس سرسامی کیفیت کا واحد علاج ہے۔ ورنہ اب بھی اس غیر یقینی کی صورتحال کو اپنے ناپاک عزائم کے لئے استعمال کرنے والے ملک کے اندر اور باہر موجود ہیں۔

اگرچہ جمعیت علمائے پاکستان کا موچی دروازے کا جلسہ بھی اپنی جگہ ایک کامیاب جلسہ تھا۔ جماعت اسلامی ملک بھر میں اسی قسم کے کامیاب جلسے کر رہی ہے پشاور میں جمعیت علمائے اسلام نے بہت بڑا جلسہ کیا ہے لیکن ایک بات سب کو سمجھ لینی چاہیئے کہ وہ تمام دینی جماعتیں جو یہ سمجھتی ہیں کہ الیکشن کے ذریعے اسلام کے حق میں کوئی تبدیلی آسکتی ہے تو انہیں متحد ہو جانا چاہیئے۔ ورنہ ملک کے حالات میں اور ملک کے سیاسی اور قانونی ڈھانچے میں کوئی ایسی نمایاں تبدیلی واقع نہیں ہوئی جسے اسلام کے حق میں مفید کہا جا سکے۔ لہٰذا اب بھی اگر انہوں نے پہلے کی طرح یہ سمجھا کہ وہ علیحدہ علیحدہ رہ کر کچھ حاصل کر لیں گے۔ تو ۷۰ء کے الیکشن کی طرح نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکلے گا۔ کہ مذہب کے اگر نام پر ملنے والے ووٹوں کو تقسیم کر کے سیکولر جماعتوں کو فائدہ پہنچائیں۔

آثار بتا رہے ہیں کہ مڈٹرم الیکشن ہونگے۔ اس وقت ایک ایک لمحہ قیمتی ہے۔ جو لوگ اسلام کو اور اس ملک کو لازم و ملزوم سمجھتے ہیں یا یہ کہ مسلمان ہونے کے حوالے سے اقامت دین کو ایمان کا تقاضا سمجھتے ہیں اور وہ انتخابی راستے کی افادیت کے قائل ہیں (میں نے بھی کبھی اُسے حرام نہیں کہا میں اس کو صرف تدبیر کے طور پر غلط سمجھتا ہوں) اُنہیں بہرصورت متحد ہونے کی کوشش کرنا چاہیئے۔ پہلے جو شکست ہوئی تھی اُس کے اثرات سے تو ہم کسی حد تک بچ گئے تھے لیکن اب سیکولرزم کے علمبرداروں کو فتح حاصل ہوئی تو اُس کے نتیجے میں اس ملک میں سیکولرزم کے لئے ایک نظام کی حیثیت میں مستحکم بنیادوں پر استوار ہونے کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ جس کے نتیجے میں اسلامی انقلاب کی جدوجہد کو بحیثیت مجموعی ایک بڑا دھچکا لگنے کا اندیشہ ہے۔ اگر پیش آمدہ انتخابی معرکے میں تمام دینی قوتیں ایک سیاسی جماعت کے طور پر سامنے آئیں تو ان کی کامیابی کے امکانات روشن ہیں۔ پیپلز پارٹی سیکولر جماعت ہے۔ تحریک استقلال سیکولر جماعت ہے اور میں جناب اصغر خان کی صاف گوئی کا معترف

ہوں کہ انہوں نے اپنی سوچ کو کبھی چھپا کر نہیں رکھا۔ اُن کا موقف واضح ہے کہ یہ ملک اسلام کے لئے نہیں مسلمانوں کے لئے بنا تھا اور یہ کہ سیاست سے مذہب کا کوئی واسطہ نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ سیکولر جماعتیں ملکر یا ان میں سے کوئی بڑی جماعت انتخابات کے نتیجے میں ایک مستحکم سیاسی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگئی تو پھر اسلامی تحریک کا کام بہت مشکل ہو جائے گا اور ان کی جدوجہد کا راستہ بہت طویل اور کٹھن ہو جائے گا۔

اس وقت دو ہی راستے ہیں پہلا راستہ یہ ہے کہ تمام اسلامی قوتیں انتخابی میدان کو چھوڑ کر ایک موثر پریشر گروپ کی صورت میں اکٹھی ہو جائیں اور یہ طے کریں کہ ہمیں حکومت نہیں مانگنی بلکہ ہر حکومت سے اسلام مانگنا ہے۔ لیکن یہ بات صرف میری خواہش کی حد تک ہے اس کے روبہ عمل آنے کا بظاہر کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ دینی جماعتیں خاص طور پر جمعیت علمائے پاکستان جمعیت علمائے اسلام اور جماعتِ اسلامی جیسی بڑی جماعتیں اپنا سیاسی اتحاد بنا کر الیکشن لڑیں اور اگر ایسا نہ ہوا تو پھر پروفیسر مرزا منور صاحب کی بات سو فیصد درست ثابت ہوگی کہ "آئندہ الیکشن میں اسلام والوں کی شکست کا منظر دیدنی ہوگا۔" اس لئے میں بار بار پوری دلسوزی اور نصح و خیر خواہوں سے یہی اپیل کرتا ہوں کہ خدا کے واسطے متحد ہو جاؤ اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو اور ایک صورت یہ بھی ہے کہ جو اسلام کے لئے زیادہ مخلص ہے وہ پیچھے ہٹ جائے تاکہ کم از کم دیندار طبقے کے ووٹوں کی تقسیم کا عمل تو کم سے کم ہو جائے۔

لیکن جن لوگوں کی رائے یہ ہو کہ الیکشن کے راستے سے اسلام نہیں آسکتا اور یہ گاڑی جس راستے پر چل رہی ہے اُسے چلنے دیا جائے ہم تو انقلابی طریقے سے کام کریں گے۔ یعنی انقلابی جماعت ابتداء میں پریشر گروپ کی حیثیت سے کام کرے اور پھر جب اللہ تعالیٰ قوت دے تو منکرات کو اور تمام خلاف اسلام چیزوں یعنی سود کو سرمایہ داری کو جاگیرداری کو فحاشی کو چیلنج کرے کہ ہم اب اس صورت حال کو نہ گوارہ کریں گے۔ اور نہ کہیں چلنے دیں گے۔ یہ ملک اسلام کے لئے بنا تھا یہاں کے بسنے والے مسلمان ہیں اس لئے یہاں پر اُن کا دین اسلام ہی چلے گا اور پھر یہ کہ یہ ملک کیا یہ ساری زمین ہی اللہ کی ہے اس پر اللہ کا حکم جاری کرنا اللہ کے بندوں کا فرض ہے۔ لیکن اس کے

لئے پہلے انقلابی تیاری کی ضرورت ہے - افراد کو تیار کرنے کی ضرورت ہے تحریکی انداز کی انقلابی جماعت تیار کرنے کی ضرورت ہے - جو لوگ اس ضرورت کا شعور وادراک رکھتے ہیں - ان کو میں دعوت دیتا ہوں کہ وہ تنظیم اسلامی میں آئیں - میں گزشتہ بیس برس سے یہ کام کر رہا ہوں - ۱۹۶۲ء میں میں نے انجمن خدام القرآن قائم کی تھی جس کا مقصد قوم کے ذہین افراد میں سوچنے سمجھنے والے طبقے میں قرآنی فکر کو بیدار کرنا تھا - ۱۹۷۵ء میں تنظیم اسلامی قائم کی جس کا مقصد عوام الناس میں بیداری ایمان اور توبہ کی ایک عمومی تحریک برپا کرنا ہے - اس کے نتیجے میں انشاء اللہ وہ انقلابی جماعت وجود میں آئیگی - جو تمام گمراہیوں کو جڑ سے اکھاڑ کر اللہ کے دین کو جاری کرے گی - یہ کام آسان نہیں ہے ایک جمے جمائے تہذیبی ڈھانچے کو جس کی پشت پر ایک پورا فکری سرمایہ ہے اکھاڑ کر پھینکنا ہے - اس راہ میں مشکلات ہیں مصائب ہیں خافتیں ہیں مگر کرنے کا کام یہی ہے - اپنے دلوں کو ٹٹولیے اپنے سینوں کا جائزہ لیجیے مہلت عمر بہت کم ہے - قدم آگے بڑھائیے - جوانمردوں کے لئے میدان خالی ہے پھر یہ کہ خالص رضائے الٰہی کے حصول کے لئے تن من دھن لگانے ہی میں فوز و فلاح ہے - بالفرض دنیا میں عارضی ناکامی بھی ہوئی تو بھی انشاء اللہ آخرت میں ایسے لوگ سرخرو ہوں گے اور اللہ تعالےٰ کی رحمت کے سزاوار قرار پائیں گے -

وقت کے اہم ترین موضوع پر معرکتہ الاراء کتاب

استحکام پاکستان

تالیف : ڈاکٹر اسرار احمد

کتابی شکل میں طبع ہو کر آگئی ہے -

ضخامت : ۱۷۵ صفحات ، اعلیٰ سفید کاغذ ، عمدہ طباعت

مجلد مع گرد پوش /۳۰ روپے بلا جلد -/۲۰ روپے

شائع کردہ

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور ۳۶ ، کے ، ماڈل ٹاؤن لاہور ۱۴

ADARTS-HRA-3/86

ع بیا بہ مجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش!

فکرِ اقبالؒ

کی روشنی میں

حالاتِ حاضرہ

اور

ہماری قومی ذمہ داریاں

خطاب بہ مجلسِ اقبالؔ

الحمرا آڈیٹوریم —— ۲۱ اپریل ۸۶ء

از

اسرار احمد

امیر تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

احمدہٗ و اصلّی علیٰ رسولہ الکریم

امّابعد فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم ★ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ربّ اشرح لی صدری ۝ ویسّر لی امری ۝ واحلل عقدۃ من لسانی ۝

یفقھوا قولی ۝

محترم و مکرّم صدرِ مجلس!

محترم اراکین و کارکنان مرکزیہ مجلسِ اقبال لاہور،

اور معزز خواتین و حضرات!

اگرچہ اس سے قبل بھی متعدد بار ع "بیا بہ مجلسِ اقبال و یک دو ساغر کش!" کے مصداق مجلسِ اقبال میں شرکت و شمولیت کی سعادت حاصل ہو چکی ہے لیکن اس بار جس انداز میں اس بندۂ ناچیز کا اعزاز و اکرام فرمایا گیا ہے اُس کا شکریہ ادا کرنے کے لئے مناسب الفاظ واقعۃً میرے پاس موجود نہیں ہیں۔ لہٰذا مجبوراً ملک نصراللہ خاں عزیز مرحوم کے الفاظ مستعار لے رہا ہوں کہ ع "ایک بندۂ عاصی کی ——— اور اتنی مدارتیں!"

مجھے آج صبح ہی کی فلائٹ سے "شامِ الہدیٰ" کے مستقل پروگرام کے سلئے کراچی روانہ ہو جانا تھا لیکن مجلس اقبال میں شرکت کی سعادت کے لئے یہ ادنیٰ سا تردّد تو ہرگز کوئی قربانی نہیں کہ یہاں سے سیدھا ایئرپورٹ اور ایئرپورٹ سے سیدھا تاج محل ہوٹل کراچی پہنچوں ——— البتہ منتظمین مجلس کا یہ احسان عمر بھر یاد رہے گا کہ انہوں نے خاص طور پر میری شمولیت کے لئے مجلس کا آغاز اپنے طے شدہ پروگرام سے ایک گھنٹہ پہلے کیا ——— اس کے ساتھ ہی اپنی اس محرومی کا احساس بھی شدّت سے ہے کہ آج سے ڈیڑھ سال قبل کی ایک مجلس کی طرح آج بھی مجھے اپنی گفتگو ختم کرتے ہی آدابِ مجلس کے خلاف فوراً روانہ ہو جانا ہوگا اور اس طرح میں اپنے سے بدرجہا اعلم و افضل اصحابِ علم و فضل کے افکار و خیالات سے مستفید نہ ہو سکوں گا۔ بہرحال "مالایدرک کلہٗ لایترک کلہٗ" کے مصداق جو میسّر آگیا ہے غنیمت ہے!

بہت سے حضرات یقیناً اس پر حیران ہوں گے کہ" مَیں اپنی روایت کے یکسر خلاف، آج اپنے خیالات تحریری صورت میں پیش کر رہا ہوں - اس کی وجہ یہ ہے کہ عام معمول سے ہٹ کر اس بار " مجلسِ اقبال " کے لئے بھی ایک موضوع تجویز کر دیا گیا ہے یعنی " فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریاں " اور یہ موضوع اوّلاً تو خطیبانہ جوش سے زیادہ سنجیدہ غور و فکر کا متقاضی ہے ـــــــ ثانیاً اس کا اندیشہ ہے کہ زبانی گفتگو کی روا روی میں اس کا کوئی اہم گوشہ تشنہ رہ جائے! ـــــــ پھر ایک خواہش یہ بھی ہے کہ یہ باتیں جلد از جلد وسیع پیمانے پر لوگوں کے سامنے لائی جائیں اور من و عن شائع ہوں لہٰذا " نٓ والقلم وما یسطرون ○ " کے مطابق ذہن و لسان کے مابین قلم کو خیالات کی شیرازہ بندی کے ذریعے کے طور پر استعمال کر رہا ہوں۔

عنوان میں اختیار کردہ ترتیب سے ذرا سا ہٹ کر مَیں پہلے " حالاتِ حاضرہ " کے ضمن میں اپنا مشاہدہ اور تجزیہ پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں:

آج ہر شخص یہ محسوس کر رہا ہے کہ ہم نے معمارِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح مرحوم کے اس اندیشے کے عین مطابق جو اُن کے اس تاریخی جملے میں سامنے آتا ہے کہ :-

"GOD HAS GIVEN US A GOLDEN OPPORTUNITY TO PROVE OUR WORTH AS ARCHITECTS OF A NEW NATION AND LET IT NOT BE SAID THAT WE DID'NT PROVE EQUAL TO THE TASK."

اپنی نااہلی اور عدم قابلیت کا بھرپور ثبوت دیتے ہوئے اُن کے قائم کردہ پاکستان کو تو آج سے لگ بھگ ساڑھے چودہ سال قبل دولخت کرا لیا تھا ـــــ اب اندیشہ یہ ہے کہ مفکّر و مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں جس پاکستان کا خواب "AN INDEPENDENT MUSLIM STATE AT LEAST IN THE NORTH-WEST OF INDIA" کی صورت میں دیکھا تھا کہیں ہم اُسے بھی اپنی نااہلیوں کی بھینٹ نہ چڑھا دیں! اور اس طرح برِصغیر پاک و ہند کی مسلم قوم کی نصف صدی سے زائد عرصہ پر پھیلی ہوئی مساعی جبطِ

اعمال کے حسرتناک انجام سے دوچار نہ ہوجائیں! ——— اس لئے کہ ایک طرف
عہ "خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری!" کے مصداق تاحال 'بے آئینی' ہی
سرزمین پاکستان کا 'آئین' ہے۔ گویا قمری حساب سے اپنی قومی زندگی کے چالیس سال پورے
کر چکنے کے باوجود (واضح رہے کہ آنے والے ماہ رمضان مبارک کی ستائیسویں کو یہ چالیس
سال پورے ہوجائیں گے!) ہم ؎

چہل سال عمر عزیزت گذشت مزاجِ تو از حالِ طفلی نہ گشت

کے مصداق سیاسی و دستوری اعتبار سے ہنوز 'نابالغ' ہیں بـــ تو دوسری طرف
ـــــ صاف نظر آتا ہے کہ عہ "آہ! وہ تیر نیم کش جس کا نہ ہو کوئی ہدف" ــ اور
سہ "چلتا ہوں تھوڑی دُور ہراک راہرو کے ساتھ۔ پہچانتا نہیں ہوں ابھی راہبر کو میں!"
کے مصداق اس قافلہ ملی کی کوئی منزل معیّن ہے ہی نہیں! اور یہ "ہجوم
مومنین" بے مقصدیت کے صحرائے تیہہ میں بالکل اس شان سے بھٹک رہا ہے کہ
سہ کس طرف جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں — اے ہجوم نا اُمیدی دل بہت گھبرا تے ہے!
چنانچہ اغیار طعنے دے رہے ہیں اور پھبتیاں چُست کر رہے ہیں، مبصرین اور
تجزیہ نگار انتشار (DISINTEGRATION) اور حصّے بخرے ہوجانے
(BALKANISATION) کی پیشگوئیاں کر رہے ہیں اور دشمن گھات میں ہیں
کہ کب آخری ضرب لگانے کا بہترین موقع ہاتھ آئے اور عہ "خوش درخشید ولے شعلہ
مستعجل بود" کے مصداق عصر حاضر کی تاریخ کا ایک درخشاں باب ختم کر دیا جائے!
گویا، نظر بظاہر، یوں محسوس ہوتا ہے کہ ؎

اسکی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز — جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف دنوں

پاکستان کی فضا پر متذکرہ بالا عمومی تشویش اور بُزدلی و مایوسی کے جو بادل چھائے
ہوتے ہیں ان کے درمیان سے جھانک کر واقعات کی دُنیا میں "حالاتِ حاضرہ"
کے داخلی اور خارجی پہلوؤں کا مشاہدہ کیا جائے تو صُورتِ حال کچھ یوں نظر آتی ہے کہ:
ایک جانب سیاچین گلیشیر ہمارے ہاتھ سے جا چکا ہے، اور کشمیر کی کنٹرول لائن

اُٹّے دن کی بھارتی جارحیت سے خون آلود ہوتی رہتی ہے - پھر کشمیر کے علاوہ ہماری حساس ترین سرحد سے ملحق بھارتی پنجاب شدید خلفشار اور عدم استحکام کا شکار ہے اور اس کے ضمن میں کوئی دن نہیں جاتا جب بھارتی زعماء میں سے کوئی نہ کوئی ہمیں موردِ الزام نہ ٹھہراتا ہو - نتیجۃً پاکستان سے بھارت کی پیدائشی دشمنی اور مستقل نفسیاتی اور واقعاتی آویزش پر مستزاد یہ فوری اور شدید اندیشہ سر پر منڈلا رہا ہے کہ کسی بھی وقت اپنے اندرونی خلفشار کے باعث جھنجھلا کر بھارت کسی بڑی جارحیت کا ارتکاب نہ کر گزرے!

دوسری جانب افغانستان کی صورتِ حال اور اُس کے داخلی نظریاتی تصادم پر مستزاد روس کی ننگی اور براہِ راست مداخلت اور امریکہ کی قدرے ڈھکی چھپی اور بالواسطہ دخل اندازی نے نہ صرف یہ کہ پاکستان کے لئے شدید مسائل اور خطرات پیدا کر رکھے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ پاکستان، افغانستان اور رُوسی ترکستان کے پورے علاقے کی قسمت کو گویا ایک معلق ترازو سے وابستہ کر دیا ہے - چنانچہ جہاں اس کی بھی اُمید ہے کہ ایک مردِ درویش کے لگ بھگ پون صدی قبل کے الفاظ کہ ؎

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو　　　لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند!

حقیقت و واقعیت کا روپ دھاریں اور یہ خطّہ ایک وحدت کی صورت اختیار کر کے اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور عالمی غلبے کا نقطۂ آغاز بن جائے، وہاں یہ خطرہ بھی حقیقی اور واقعی ہے کہ سائبیریا کا برفانی ریچھ بحیرۂ عرب کے گرم پانی میں غوطہ لگانے کے لئے آخری دوڑ کا آغاز کر دے اور 'خاکم بدہن' پاکستان بھی اُس کی عریاں جارحیت کا نشانہ بن جائے!

داخلی محاذ پر ——— پاکستان کی ماں اور معمارِ پاکستان اور مصوّر و مفکرِ پاکستان دونوں کی مشترک وراثت مسلم لیگ جو ان دونوں کے منظرِ عام پر آنے سے قبل واقعۃً صرف نوابوں اور نواب زادوں اور وڈیروں اور جاگیرداروں کی جماعت تھی البتہ ۳۵ء اور ۴۷ء کے درمیان ایک عوامی تحریک کی صورت اختیار کر گئی تھی عرصہ ہوا کہ "ہر چند کہیں کہ ہے، نہیں ہے!" کی مصداقِ کامل بن چکی ہے - اور حال ہی میں سرکاری و درباری ذرائع سے اُس کے تنِ مردہ میں جان ڈالنے کی جو کوشش ہوئی ہے اور غیر جماعتی انتخابات میں

اپنے ذاتی وسائل اور محض زمینداری یا سرمایہ داری کے بل پر کامیاب ہونے والوں کی پیشانی پر اس کا لیبل چسپاں کر کے اسکے نام سے فائدہ اٹھانے کی جو کوشش کی گئی ہے کون نہیں جانتا کہ اُس کا حاصل کچھ نہیں اور کم از کم عوام کی سطح پر اُس کی نہ کوئی حقیقت ہے نہ حیثیت ،

اس طرح بظاہر موجود لیکن حقیقتاً کالعدم مسلم لیگ، سے قطع نظر —— قومی سیاست کے میدان میں انتہائی بائیں جانب ہیں وہ اشخاص اور گروہ جن کی پاکستان کو توڑ دینے کی خواہش اب ڈھکی چھپی نہیں رہی بلکہ بیانگ دہل سامنے آ چکی ہے - ان میں شخصیات کی سطح پر تو اہم نام صرف خان عبدالغفار خاں اور جناب جی ایم سید کے ہیں البتہ چھوٹی بڑی جماعتیں یا گروہ نصف درجن بلکہ اس سے بھی زائد ہیں جن میں اہم تر نام این ڈی پی، پی این پی، اور سندھی بلوچی پختون متحدہ محاذ کے ہیں! —— تاہم غنیمت ہے کہ ابھی ان سب کا دائرہ اثر صرف چھوٹے صوبوں تک محدود ہے اور پنجاب کی حد تک اس کی صرف ایک خفیف سی صدائے بازگشت جناب حنیف رامے کی صورت میں سامنے آئی ہے!

دوسری انتہا پر ہیں بعض نیم مذہبی اور نیم سیاسی جماعتیں، جن کی اکثریت واضح طور پر دائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے - ان میں بھی قابل ذکر تو تین ہی ہیں یعنی جے یو آئی، جے یو پی اور جماعتِ اسلامی تاہم دوسری نسبتاً چھوٹی جماعتوں اور بڑی جماعتوں کے متحارب دھڑوں کو بھی شمار کیا جائے تو تقریباً وہی بائیں بازو والی تعداد بن جاتی ہے —— یہ جماعتیں اگرچہ پاکستان کے بقا و استحکام کی بھی دل سے خواہشمند ہیں اور اس میں اسلام کے نفاذ کی بھی داعی ہیں لیکن اوّلاً اس بنا پر کہ ان کا دائرہ اثر بہت محدود بھی ہے اور ملک کے طول و عرض میں مختصر ٹکڑوں —— (SMALL POCKETS) ، کی صورت میں منتشر بھی، اور ثانیاً اس بنا پر کہ پاکستان اور اسلام دونوں کی محبت اور وفاداری کی عظیم قدر مشترک کے باوجود اُن کی باہمی آویزش بلکہ چپقلش ضرب المثل کی صورت اختیار کر گئی ہے، وہ کوئی فیصلہ کُن

کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نظر نہیں آتیں!

ان دو انتہاؤں کے مابین واقعہ یہ ہے کہ قومی اور عوامی سیاست کا اصل دھارا سیکولر ڈیماکریسی یا سوشل ڈیماکریسی کے رُخ پر بہہ رہا ہے جس میں یوں تو جماعتی اور تنظیمی سطح پر دو نام سامنے آتے ہیں یعنی ایک پاکستان پیپلز پارٹی کا اور دوسرا تحریک استقلال کا ـــــ لیکن بنظرِ غائر دیکھا جائے تو صاف نظر آتا ہے کہ یہ عظیم دھارا اصلاً کچھ چھوٹی اور بڑی، اور نئی اور پُرانی شخصیتوں اور ان کے مدّاحوں اور حامیوں، اور عاشقوں اور جان نثاروں پر مشتمل ہے جو ایک دوسرے پر بازی لے جانے کی سرتوڑ کوششوں میں مصروف ہیں اور سردست یہ کہنا مشکل ہے کہ اس عظیم لہر پر سواری کی سعادت کس کے حصّے میں آتی ہے ـــــ گویا

دیکھئے! اس بحر کی تہہ سے اچھلتا ہے کیا گنبدِ نیلوفری رنگ بدلتا ہے کیا!

اسی درمیانی دھارے میں ایک طوفانی لہر حال ہی میں آنسہ بے نظیر بھٹو کی اپنی اختیاری جلا وطنی کو ختم کر کے پاکستان واپسی ـــــ اور شہر اقبال لاہور میں ورود، ـــــ اور اس موقع پر ان کے بے مثال اور حد درجہ والہانہ استقبال، اور پھر پاکستان کے دِل پنجاب، اور اس کے بھی اصل قلب یعنی لاہور، گوجرانوالہ، شیخوپورہ اور فیصل آباد وغیرہ کے اضلاع میں اُن کے شاندار اور والہانہ خیر مقدم اور عظیم الشان جلسوں اور جلوسوں کی صُورت میں اٹھی ہے جس نے سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت سے کسی بھی درجہ میں بہرہ ور ہر پاکستانی مسلمان کو نہ صرف یہ کہ ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے بلکہ ملک و ملّت کے مستقبل کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے اور غور کرنے پر مجبور کر دیا ہے اور غالباً یہ بھی اسی کا شاخسانہ ہے کہ "مجلسِ اقبال" بھی جو ایک خالص روایتی اور ثقافتی ادارہ بن چکی تھی "فکرِ اقبال کی روشنی میں حالاتِ حاضرہ اور ہماری قومی ذمہ داریوں" کا جائزہ لینے پر مجبور ہو گئی ہے۔

ہماری قومی اور عوامی سیاست کے اصل اور عظیم تر درمیانی دھارے میں جو طوفانی

لہر حال ہی میں اٹھی ہے اُس کے ضمن میں یہ بات بھی بالکل غلط نہیں ہے کہ یہ کسی حد تک آٹھ نو سال کے سیاسی حبس کا ردِ عمل ہے - اور اس بات میں بھی یقیناً کچھ نہ کچھ صداقت موجود ہے کہ حالیہ طوفانی کیفیت زیادہ دیر برقرار نہیں رہ سکتی، گویا ع "چڑھی ہے یہ آندھی اُتر جائے گی!" ـــــ لیکن اس قسم کے جملہ عوامل کا حصّہ منہا کرنے کے بعد بھی اس کیفیت (PHENOMENON) کی اہمیت ہرگز کم نہیں ہوتی اور اس امر کی شدید ضرورت ہے کہ اس کا حقیقت پسندانہ تجزیہ کیا جائے کہ اس کے اصل عوامل کیا ہیں، اجزائے ترکیبی کیا ہیں اور اس کے ضمن میں ملک و ملّت کے مخلصوں اور بہی خواہوں کا طرزِ عمل کیا ہونا چاہیئے ـــــ اس لئے کہ جہاں یہ اندیشہ موجود ہے کہ اس طوفانی لہر کے جوش کو ٹھنڈا پڑتے دیکھ کر اس پر سوار قائدین بے قابو ہو جائیں اور جھنجھلاہٹ میں کوئی غلط اقدام کر بیٹھیں، وہاں اس کے سرکاری یا غیر سرکاری مخالفین کا غلط طرزِ عمل اور MIS HANDLING بھی نہایت خوفناک نتائج پیدا کر سکتی ہے ـــــ جس کا ایک تجربہ ہم پندرہ سال قبل مشرقی پاکستان کے معاملے میں کر چکے ہیں!

مَیں جب علامہ اقبال کے فکر کی روشنی میں عوامی سیاست کے اس درمیانی دھارے اور اس کی موجودہ طوفانی لہر کا جائزہ لیتا ہوں تو مجھے بعینہٖ وہی صورت نظر آتی ہے جو حضرتِ علامہ نے اُس تہذیبِ حاضر کے تجزیئے کے ضمن میں پیش فرمائی ہے جو اپنے آغاز کے اعتبار سے تو یقیناً مغربی اور یورپی تھی لیکن اپنے اثر و نفوذ کے اعتبار سے دیکھتے ہی دیکھتے عالمی اور آفاقی بن گئی تھی اور اس وقت پورے کرۂ ارضی کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہے ـــــ اور جس کی خودکشی کی خبر بھی علّامہ مرحُوم نے اب سے لگ بھگ پون صدی قبل دی تھی کہ ؎

دیارِ مغرب کے رہنے والو خدا کی بستی دکاں نہیں ہے ‌ ‌ کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہو گا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خودکشی کرے گی ‌ ‌ جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا، ناپائدار ہو گا

اہلِ نظر جانتے ہیں کہ حضرت علّامہ کے نزدیک اس تہذیب کے اصل اجزائے ترکیبی

دو ہیں: ایک اس کی اصل ریڑھ کی ہڈی ہے جس کی صلابت اس کے قیام وبقا کی اصل اساس ہے، خطبات میں حضرت علامہ نے اسے 'INNER CORE' سے تعبیر فرمایا ہے ——— اور اسے خالص قرآنی الاصل گویا صدق صدا اسلامی قرار دیا ہے۔ یعنی الفاظِ قرآنی: "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ؕ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ٥" (بنی اسرائیل: ۳۶) کے مطابق یہ طرز اور روش کہ اپنے موقف کی بنیاد نہ توہمات پر قائم کی جائے نہ نرے ہوائی تخیلات پر بلکہ مشاہدات وتجربات اور ان پر مبنی ٹھوس استدلال پر قائم کی جائے۔ حضرت علامہ کی یہ رائے نہایت صائب اور بدرجہ اہم ہے اس لئے کہ واقعہ یہی ہے کہ یہی قرآنی ہدایت و رہنمائی تھی جس نے ایک جانب مظاہر قدرت کو آیاتِ الٰہیہ کا تقدس عطا فرمایا[1] اور انسان کو کتاب فطرت کے سائنٹیفک مطالعے اور مشاہدے کی جانب متوجہ کیا[2] اور دوسری جانب منطق کو استخراج کی تنگنائیوں سے نکال کر استقرار کی وسعتوں اور پہنائیوں سے روشناس کرایا ——— اور اس طرح جدید سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے میدان ہموار کیا۔ چنانچہ یہی چیز یورپ میں تحریک احیاء علوم کی بنیاد بنی جس کے نتیجے میں یورپی اقوام اوج ثریا پر پہنچیں اور یہ صورت پیدا ہوئی کہ: ؎

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں کہ یہ ٹوٹا ہوا تارا مہ کامل نہ بن جائے

حضرت علامہ کی یہ ژرف نگاہی بجائے خود جس عظمت کی مظہر ہے اُس سے قطع نظر میرے لئے اس کی قدر وقیمت کا ایک اضافی پہلو یہ ہے کہ اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اہم قول کی عظمت وصداقت مبرہن ہوتی ہے جو صحیح مسلمؒ میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے ——— کہ "اِنَّ اللّٰهَ يَرْفَعُ بِهٰذَا الْكِتٰبِ اَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهٖ آخَرِيْنَ" "اللہ تعالیٰ اسی کتاب (قرآن) کے ذریعے قوموں کو ابھارے گا اور اسی کے (ترک کرنے کے) باعث قوموں کو گرائے گا!" گویا مغربی تہذیب بھی جو ابھری تو یقیناً قرآن ہی کی ہدایت ورہنمائی کے ایک اہم جزو کے سہارے ابھری! اور مسلمان گرے تو اسی سبب سے گرے

---

[1] سورۂ بقرہ: آیت ۱۶۴ [2] سورۂ غاشیہ آیات ۱۷ تا ۲۰

کہ انہوں نے قرآن کی اس ہدایت سے یورپ کو روشناس کرانے کے بعد خود اُسے ترک کر دیا گویا ۔ وہ زمانے میں معزز تھے مُسلماں ہوکر اور تم خوار ہوئے تارک قُرآں ہوکر

اور خوار از مہجوریٔ قُرآں شُدی شکوہ سنج گردش دوراں شُدی

اے چوں شبنم بر زمین افتندۂ در بغل داری کتاب زندۂ

۲۔ تہذیبِ حاضر کا دوسرا جزو اُس کے کچھ خارجی مظاہر ہیں جنہیں خطبات میں تو حضرت علامہ نے صرف ایک لفظ ______ 'DAZZLING EXTERIOR' سے تعبیر فرمایا ہے لیکن اشعارِ اقبال کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ ان مظاہر خارجی کے بھی دو رُخ ہیں جنہیں کہیں تو حضرتِ علامہ" چہرہ روشن ، اندروں چنگیز سے تاریک تر " کے الفاظ سے تعبیر فرماتے ہیں ، کہیں ان کی نشاندہی بحر " طبِّ مغرب کے مزے میٹھے اثر خواب آوری" الفاظ کے ذریعے کرتے ہیں ـــــ اور اس ضمن میں غالباً سب سے زیادہ بھرپور انداز یہ ہے کہ ؎

"نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی یہ صناعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے!"

تہذیب حاضر کے ان بظاہر حسین وخوش نما اور دل کش و مرعوب کُن مظاہر خارجی میں سے مثلاً ایک حرّیت فکر ہے جس کے پردے میں یا با ضابطہ کفر والحاد ہے یا لاادریت وارتیابیت ' ـــ اور ان دونوں کا حاصل ہے یا عریاں لا مذہبیت یا کم ازکم محدود مذہبیت کے پردے میں لپٹی ہوئی لادینیت ! ـــ گویا ؎

ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ !

دوسرے حرّیتِ عمل ہے جس کی شکر والی تہہ کے نیچے مضمر ہے اباحیت اور آوار گی کا زہر ، جس نے اخلاق و کردار اور شرافت وانسانیت کا دیوالہ نکال دیا ہے ، تیسرے نمبر پہ ہے حرّیتِ نسواں اور نظریۂ مساواتِ مرد وزن جس نے مرد کو 'نامرد' اور زن کو 'نازن' بنا کر رکھ دیا اور دونوں کو تماشائی و ہرجائی بنا کر خاندان کے مقدّس ادارے کی چولیں ہلا کر رکھ دیں ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ؎

"فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ مرد سادہ ہے بے چارہ زن شناس نہیں

اور ؎ "کیا یہی ہے معاشرت کا کمال ؟ مرد بے کار وزن تہی آغوش !

اسی طرح سہ "خشت اوّل چوں نہد معمار کج - تا ثریا می رود دیوار کج"!
کے مصداق اجتماعیات انسانیہ کے ضمن میں تہذیب مغرب نے سیاسی و معاشی مساوات کے حسین عنوانوں سے انسان کو اوّلاً لادینی جمہوریت (SECULAR DEMOCRACY) کا تحفہ دیا جو "چہرہ روشن اندروں چنگیز سے تاریک تر" کا مصداقِ کامل ہے۔ اسلئے کہ اس کے ذریعے حقیقتاً سرمایہ داروں کی بدترین آمریت عوام پر مسلط ہو گئی ہے
دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب - تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!
اور اس کے بعد اِس نہلے پر دہلا بے خدا اشتراکیت کا مارا جس نے انسان سے اُسکی آزادی کو کلیتہً سلب کر کے اُسے ایک مشین کا پرزہ بنا کر رکھ دیا۔ فاعتبروا

آگے بڑھنے سے قبل، اس مقام پر دو امور کی وضاحت مناسب ہے:
ایک یہ کہ تہذیب جدید کے اس المیّے کا اصل سبب سورۃ بقرہ کے چوتھے رکوع کی روشنی میں ایک جملے میں یوں بیان کیا جاسکتا ہے کہ اس نے اُس "عِلمُ الاسماء" پر تو پوری توجہ صرف کی جو ابتدائے آفرینش ہی میں حضرت آدم کی سرشت میں ودیعت کر دیا گیا تھا اور جس نے تاریخ انسانی کے دوران مسلسل بروز و ظہور اور صعود و ارتقاء کے ذریعے 'علم الاشیاء' اور 'علم الخواص' کے راستے سے سائنس اور ٹیکنالوجی کی صورت اختیار کی ——— لیکن اُس علم وحی سے یکسر منہ موڑ لیا جسے قرآن 'هدایت' 'فَاِمَّا یاتینکم منی هدیً فمن تبع هدای فلاخوفٌ علیهم ولا هُمْ یحزنون ٥' سے تعبیر کرتا ہے۔ نتیجتاً اس نے اُس 'دجال' کی صورت اختیار کر لی جس کی ایک آنکھ بند ہے اور جس کی پیشانی پر جلی حروف میں "ك ف ر" لکھا ہوا ہے۔ چنانچہ اب یہ یک چشم عفریت نوع انسانی ہی نہیں ہر قسم کی حیاتِ ارضی کی کلّی تباہی پر تُلا کھڑا ہے -!
دوسرے یہ کہ عالم اسلام میں اس تہذیب کے ضمن میں یہ متوازن نقطۂ نظر، میری محدود معلومات کی حد تک، سوائے علّامہ اقبال مرحوم کے اور کسی کے یہاں نظر نہیں آتا، اور اُن کے بعد اُن کی شمع سے اپنے چراغ روشن کرنے والوں میں بھی کم از کم

اپنی محدود بصارت و بصیرت کی حد تک مجھے صرف ایک شخصیت ایسی نظر آتی ہے جس کے فکر میں اس توازن کا عکس کامل موجود ہے اور وہ ہیں ڈاکٹر رفیع الدین مرحوم و مغفور! ——— ورنہ اکثر و بیشتر افراد و اشخاص کی حد تک بھی یا حیرانی و سرگردانی نظر آتی ہے، یا انتہا پسندی اور یک رُخا پن! ——— اور بحیثیتِ مجموعی بھی ملّت کے دو اہم طبقات نے متضاد طرزِ عمل اختیار کیا۔ چنانچہ ایک طرف علماء کرام کی اکثریت نے اس تہذیب کو بالکلیہ رد کر دیا۔ نتیجۃً اس کے اس 'INNER CORE' سے بھی محرومی اختیار کر لی جو اصلاً خالص قرآنی اور اسلامی تھا۔ اور وہ صرف آسمانی ہدایت کے امین بن کر قال اللہ اور قال الرسولؐ کے حصار میں محصور ہو کر رہ گئے! ——— اور دوسری جانب قوم کی عظیم اکثریت نے تہذیب مغرب کو مِن وعن قبول کر لیا۔ نتیجۃً اس کے 'INNER CORE' کے ساتھ ساتھ اس کی "چھوٹے نگوں کی ریزہ کاری" سے پیدا شدہ "صناعی" کو بھی ایک شکست خوردہ اور مرعوب ذہنیت کے ساتھ جوں کا توں قبول کر لیا۔ نتیجہ وہ نکلا جسے کسی صاحبِ درد نے یوں بیان کیا کہ ؎

میں نے دیکھا ہے کہ فیشن میں الجھ کر اکثر   تم نے اسلاف کی عزت کے کفن بیچ دیئے
نئی تہذیب کی بے رُوح بہاروں کے عوض   اپنی تہذیب کے شاداب چمن بیچ دیئے!

اور اس ضمن میں بھی اللہ رحمتیں نازل فرمائے اپنے اس بندۂ قلندر پر جس نے کمال انصاف کا ثبوت دیا جب ملّت کے ان دو اہم طبقات کے تضادِ عمل کو یوں واضح کیا کہ ؎

کہا اقبال نے شیخ حرم سے   تہہ محراب مسجد سو گیا کون؟
ندا مسجد کی دیواروں سے آئی   فرنگی بتکدے میں کھو گیا کون؟

فکر اقبال کی اس روشنی میں پاکستان کی عوامی سیاست کے بڑے اور درمیانی دھارے اور اس کی حالیہ وہیب، اہر کا تجزیہ کیا جائے تو اس کے بھی دو جزو سامنے آتے ہیں، چنانچہ اس کا بھی ایک "INNER CORE" ہے جو نہ غیر اسلامی ہے نہ غیر قرآنی، اور نہ افکار و نظریاتِ اقبال کے منافی ہے، نہ تصوراتِ

قائداعظم کی نقیض بلکہ عین قرآنی اور اسلامی بھی ہے اور پاکستان کے مصوّر و مفکر اور موسّس و معمار دونوں کے خیالات کے مطابق بھی اور اسی میں اس دھارے کی مقبولیت اور اس کی قوت و شوکت کا راز مضمر ہے' البتہ "دوسرا جزو جو بجائے خود نہایت اہم ہے بے خدا بھی ہے اور بے دین بھی اور خالص مُشرکانہ بھی ہے اور ملحدانہ بھی! اور یہ بات نہایت اہم اور لازمی ہے کہ ان دونوں اجزاء کو علیحدہ علیحدہ پہچان لیا جائے اور دونوں کے ساتھ ایک طرزِ عمل اختیار کرنے کی بجائے علیحدہ علیحدہ رویّہ اختیار کیا جائے!

اس دھارے اور لہر کی ' INNER CORE ' کے اجزاءِ ترکیبی میں سے اوّلین جزو ہے " وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ ... الآیہ " کے مطابق انسان کا محض انسان ہونے کے ناطے اعزاز و اکرام اور تشریف و تکریم' اور رنگ و نسل' مال و منال' اور عہدے' پیشے یا جنس کی بنیاد پر انسانوں کے مابین اعلیٰ و ادنیٰ' شریف و رذیل' اور اونچ اور نیچ کے جملہ امتیازات کا مکمل خاتمہ اور انسانوں کے مابین اس سماجی و معاشرتی سطح پر کامل مساوات! بفحوائے الفاظ قرآنی:

"یاایھا الناس انا خلقنٰکم من ذکرٍ وَّ انثیٰ وجعلنٰکم شعوبًا وقبائل لتعارفوا ط ان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم" (الحجرات: ۱۳) اور بقول اقبال

"کلُّ مومن اخوۃٌ" اندر دلش حریت سرمایۂ آب و گلش

ناشکیب امتیازات آمدہ! در نہادِ او مساوات آمدہ!

ان امتیازات کا کلی خاتمہ اور کامل انسانی مساوات کا بالفعل قیام رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ طرّہ امتیاز ہے جس کے سامنے ایچ جی ویلز جیسے دشمنِ اسلام اور شاتمِ رسولؐ بھی اپنے آپ کو سر جھکانے پر مجبور پاتے ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے یہی وہ چیز ہے جو موجودہ نام نہاد مسلمان معاشرے میں ناپید ہو چکی ہے' اس ضمن میں علامہ اقبال نے تو صرف یہ فرمایا تھا کہ ؎ "یوں تو سیّد بھی ہو' مرزا بھی ہو' افغان بھی ہو' ـ تم سبھی کچھ ہو بتاؤ تو مسلمان بھی ہو!" ——— میں اُن کی رُوح سے معذرت کے ساتھ اس میں یہ اضافہ کردوں گا کہ ع "تم سبھی کچھ ہو مگر سوچو کہ 'انسان' بھی ہو!"

اس ' INNER CORE ' کا دوسرا اہم جزو ہے انسان کے بنیادی عمرانی حقوق (یعنی ——— CIVIL RIGHTS) اور اُن کے ضمن میں کامل سیاسی و قانونی مساوات! جس سے "تمیز بندہ و آقا" کا مکمل خاتمہ ہو جائے اور نہ کوئی قوم کسی دوسری قوم پر حکمران ہو، نہ کوئی طبقہ دوسرے طبقے پر برتری کا حامل ہو اور نہ ہی کوئی علاقہ دوسرے علاقے پر بالادستی کا حق جتائے، بلکہ نوع انسانی "وکونوا عبادَ اللہِ اِخوانًا" (الحدیث) پر عمل پیرا ہو جائے (ترجمہ): تم سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ! ——— حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتِ اقدس اور جسمِ اطہر کو بھی قصاص کے لئے پیش فرما کر، حضرت عمرؓ نے بھرے مجمع میں احتساب پر برافروختہ نہ ہو کر بلکہ بالفعل جوابدہی فرما کر اور حضرت علیؓ نے اپنے عہد خلافت میں عدالت میں ایک عام مدّعی کی حیثیت سے پیش ہو کر اور اپنے دعوے کے اخراج پر کبیدہ خاطر نہ ہو کر جو اعلیٰ و روشن اور ابدی و لازوال مثالیں قائم کیں تھی وہ آج متفق علیہ اقدار کی حیثیت سے انسان کے اجتماعی ضمیر کا جزو لاینفک بن چکی ہیں اور عہد حاضر کا انسان ان کو ACHIEVE اور REALISE کرنے کے لئے علامہ اقبالؔ کے ان پرشکوہ الفاظ کے مطابق ہاتھ پاؤں مار رہا ہے کہ

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو ——— زانکہ از خاکش بروید آرزو!
یا زِ نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست ——— یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است!

لیکن چونکہ وہ نورِ نبوت سے براہ راست استفادہ کرنے پر آمادہ نہیں لہٰذا افراط و تفریط کے دھکوں کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہو رہا ——— تاہم کون نہیں جانتا کہ آج اِن اقدارِ عالیہ سے سب سے بڑھ کر محروم اور سب سے زیادہ تہی دست و تہی دامن وہ ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں ——— اور اسی کا ردّ عمل ہے جو ہماری سیاست کے موجودہ ابھار کی اساس بنا ہے!

اس ' INNER CORE ' کا تیسرا لیکن اہم ترین جزو ہے معاشی عدل و انصاف اور کم از کم مواقع کی حد تک کامل مساوات اور ہر نوع کے اقتصادی استحصال

اور "سرمایہ داری" کی لعنت کا مکمل خاتمہ اور ہر شہری کی بنیادی ضروریات کی کفالت کا ذمہ! —— یہ تمام باتیں وہ ہیں جو تمام جہانوں کے پروردگار نے اپنے کلامِ پاک میں ارشاد فرمائیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کے حواریین و خلفاءِ راشدین رضوان اللہ تعالے علیہم اجمعین نے بالفعل کر کے دکھائیں ۔ چنانچہ "کَیْلَا یَکُوْنَ دُوْلَۃً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ" کے مطابق دولت کی منصفانہ تقسیم اسلام کے معاشی نظام کا اصل الاصول ہے اور "وَمَا مِنْ دَابَّۃٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا" کے مطابق حضرت عمرؓ کا یہ قول کہ: اگر دجلہ و فرات کے کنارے کوئی کُتّا بھی پیاسا مرجائے تو اس کے لئے اللہ کے یہاں عمرؓ ذمّہ دار ہوگا!" اسلام کے اقتصادی مقاصد کے ضمن میں POLICY STATEMENT کی حیثیت رکھتا ہے جسے اقبالؔ نے یوں تعبیر فرمایا کہ:-

؎ کس نباشد در جہاں محتاج کس نقطۂ شرعِ مبیں ایں است و بس!

اور ؎ آب و نانِ ماست از یک مائدہ دودۂ آدم "کنفسٍ واحدۃ"

لیکن افسوس کہ جب مسلمانوں کے دورِ زوال میں اس پر ملوکیت کے ساتھ ساتھ جاگیرداری اور سرمایہ داری کی چھاپ پڑ گئی تو اسلام اور قرآن کے رُخِ روشن کی یہ جہاں تابیاں نگاہوں سے اوجھل ہوگئیں وہ صورت بن گئی جس کا نقشہ حضرت علامہ نے ان الفاظ میں کھینچا ہے کہ ؎

جانتا ہوں میں یہ اُمّت حاملِ قرآں نہیں ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مومن کا دیں

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں!

نتیجتاً —— قوم کی عظیم اکثریت تو اقبالؔ کے اس شعر کا مصداق کامل بن ہی چکی ہے کہ ؎

ہیچ خیر از مردکِ زرکش مجو "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰی تُنْفِقُوْا"

خود "مذہبیت" کی بھی اکثر و بیشتر صرف یہ مسخ شدہ صورت (PERVERTED FORM) باقی رہ گئی ہے کہ ہر قسم کے حرام و حلال ذرائع سے دولت سمیٹو البتہ کچھ صدقہ و خیرات کے کھاتے بھی جاری رکھو۔ چنانچہ حکومت کی جانب سے سُود دے کر اس میں سے زکوٰۃ وصول کر لینے کا تماشا تو حال ہی میں ہُوا ہے :- "سُود لو اور اُس میں سے زکوٰۃ دے دو"

پر تو ہمارے مذہبی مزاج کے سرمایہ دار بزرگ بہت پہلے سے عمل پیرا ہیں۔

اِس سلسلے میں نقد کے ضمن میں 'ربا النسیئہ' اور 'ربا الفضل' کی جو بے شمار صورتیں سرکاری وغیر سرکاری سطح پر ہماری پوری تجارت وصنعت اور ریاست کی سطح پر دفاع و ترقی کی جملہ سکیموں میں رچی بسی ہوئی ہیں اُن کا ذکر تو تحصیلِ حاصل ہے، اگرچہ حضرتِ علّامہ کے یہ دو اشعار نقل کیے بغیر آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہتا کہ

از ربا آخر چہ می زاید ؟ فتن ! کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

از ربا جاں تیرہ، دل چوں خشت و سنگ آدمی درّندہ بے دندان و چنگ !

تاہم 'زمین کے سُود' کا ذکر ضروری ہے۔ اس لیے کہ اُس کے ضمن میں مذہبی سطح پر تو مغالطے موجود ہیں ہی شیدائیانِ اقبال کا ذہن بھی صاف نہیں ہے۔ چنانچہ وہ ان اشعار کو تو لہک لہک کر پڑھتے ہیں کہ:

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک صاف منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

اس سے بڑھ کر اور کیا، فکر و عمل کا انقلاب پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں

اور — دِہ خدایا یہ زمیں تیری نہیں تیری نہیں تیرے آبا کی نہیں تیری نہیں میری نہیں

اور — رزق خود را از زمیں بردن رواست ایں متاعِ بندہ و ملکِ خدا است!

لیکن غالباً انہوں نے قرآن کی اس تعلیم اور اقبال کی اس تبیین کو صرف اخلاقی وعظ کے خانے میں رکھا ہوا ہے' اور یہ نہیں جانتے کہ زمین کے سلسلے میں یہ اسلام کے قانونی وفقہی نظام کی اہم اساس ہے! چنانچہ امامِ اعظم ابوحنیفہؒ اور امام دارالہجرت مالکؒ دونوں کا متفقہ فتویٰ ہے کہ مزارعت مطلقاً حرام ہے اور اقبال کا یہ فرمانا محض شاعری[1] نہیں ہے کہ (مرا یاراں غزلخوانے شمردند)

خدا آں ملّتے را سروری داد کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت

بہ آں قومے سروکارے ندارد کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

چنانچہ سماجی، سیاسی اور معاشی جملہ سطحوں پر تمام ناانصافیوں اور ناہمواریوں کا خاتمہ کرکے دینِ حق کے کامل نظامِ عدل وقسط کو بالفعل نافذ و قائم

[1] بحر "مرا یاراں غزلخوانے شمردند"

کرنے کے لیے مبعوث فرمائے گئے تھے خاتم النبیین اور سید المرسلین محمد بن الامین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم! ــــ (بفحوائے الفاظِ قرآنی "وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَكُمْ" (الشوریٰ: ۱۵) اور "لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ" (الحدید: ۲۵)) اور ع "خدایا آں کرم بارِ دگر کُن!" کے مصداق اسی کا پیغام دیا تھا حکیم الامت اور مصورِ پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے کہ ؎

بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست　　اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است!

چنانچہ اقبال سے دلچسپی رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ جہاں شعریت اور جذباتی سوز و ساز کے اعتبار سے کلامِ اقبال کے نقطۂ عروج کا مظہر اُن کی دوسری نظمیں (خصوصاً ذوق و شوق) ہیں وہاں اُمتِ مسلمہ کے نام اُن کے پیغام کا مظہرِ اتم و اکمل ہے 'ابلیس کی مجلسِ شوریٰ' اور خصوصاً اُس کے یہ آخری اشعار: ؎

عصرِ حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف　　ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں!
الحذر! آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر　　حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف　　منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں
اِس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب　　پادشاہوں کی نہیں، اللہ کی ہے یہ زمیں
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب　　یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں!

چنانچہ اُس مردِ قلندر نے تو نہ صرف یہ کہ ع "جوہرِ دریائے قرآں سُفتہ ام" کے مصداق قرآنِ حکیم کے حقائق و معارف کی دلنشیں پیرائے اور شعری اسلوب میں تعبیر و تعلیم میں اپنی توانائیاں کھپا دیں بلکہ ساتھ ہی 'انقلاب' کا نعرہ بھی بلند کر دیا تھا ــــ کہ

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب　　از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب

انقلاب! انقلاب!! اے انقلاب!!!

یہ دوسری بات ہے کہ اُن کے نام لیواؤں اور شیدائیوں نے اُن کے ساتھ وہ معاملہ کیا کہ ؎　ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من　　وز درونِ من نہ جُست اسرارِ من

مزید براں ــــ یہی تھی وہ حقیقت جسے تعبیر فرمایا تھا بابائے قوم اور بانیٔ پاکستان

قائدِ اعظم محمد علی جناح نے کبھی ان الفاظ سے کہ "ہم پاکستان کی صورت میں ایک ایسے خطۂ ارضی کے خواہاں ہیں جس میں اسلام کے اصول حریت واخوت ومساوات کا عہدِ حاضر میں عملی اور مثالی نمونہ پیش کر سکیں۔" اور کبھی یہ فرما کر کہ "اسلام ایک سوشل ڈیماکریسی ہے!" (روایات بالمعنیٰ!)

لیکن افسوس کہ علامہ اقبال تو خالص مسنون عمر' میں پاکستان کے قیام سے لگ بھگ دس سال قبل ہی دنیا سے رخصت ہو گئے تھے، قائدِ اعظم مرحوم بھی قیامِ پاکستان کے بعد کُل ایک سال زندہ رہے ــــ اور اُن کے بعد اُن کی عوامی تحریک کا ثمرہ اُچک لیا، اوّلاً نوابوں اور نوابزادوں اور زمینداروں، جاگیرداروں اور وڈیروں نے، اور بعدازاں اس میں مستقل حصہ دار تو بن گئے کچھ نئے اور پرانے سرمایہ دار اور باری باری حصہ بٹاتے رہے اعلیٰ سول اور فوجی عہدہ دار! جس کے نتیجے میں قانونِ قدرت کے عین مطابق عوامی سطح پر ایک شدید احساسِ محرومی پیدا ہوا جو اندر ہی اندر سلگنے والی آگ کے مانند بڑھتا چلا گیا ــــ اور.

ــــ **اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ اسی احساسِ محرومی کی پُرزور ترجمانی کی تھی ذوالفقار علی بھٹو نے جس نے پاکستان کی سیاست کے اُس نئے اور زوردار عوامی دھارے کو جنم دیا تھا جس کی ایک طوفانی لہر پر سوار ہو کر وہ اب سے پندرہ سال قبل خود ایوانِ اقتدار تک پہنچے تھے!**

واضح رہے کہ اس وقت مجھے نہ بھٹو صاحب کی ذات اور شخصیت سے کوئی بحث ہے نہ اُن کی سیرت وکردار سے، اور نہ اُن کے خلوص یا عدمِ اخلاص کے بارے میں کوئی گفتگو کرنی ہے، نہ اُن کی اہلیت یا نااہلیت کے بارے میں کوئی فیصلہ دینا ہے بلکہ فی الوقت میری گفتگو صرف اور صرف پاکستان کی عوامی سیاست کے درمیانی دھارے کے اُس 'INNER CORE' کی تعیین وتشخیص سے متعلق ہے جس نے اس میں وہ قوت ومقاومت پیدا کر دی ہے کہ پاکستان کی تاریخ کے طویل ترین مارشل لا سے بھی اُس کے جوش وخروش میں کوئی کمی نہیں آئی۔ چنانچہ مارشل لا کے ذرا پس منظر میں جاتے ہی اُس کی طوفانی لہر سامنے آ گئی ــــ اگرچہ یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ اس بار

اس پر سواری بھٹو مرحوم کی صاحبزادی مس بے نظیر کرتی ہیں یا اُن کے سابق رفیق کار مسٹر جتوئی، یا اُن کی ایک نظر بندی کے دوران اُن کے خلا کو پُر کرنے والے ایئر مارشل (ریٹائرڈ) اصغر خان — یا کوئی اور!!

بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل ہے کہ اس دھارے کے بہاؤ کو روکنا نہ کسی چوتھے مارشل لار کے لیے ممکن ہے نہ پانچویں کے، اور اس کے آگے نہ علماءِ کرام کوئی بند باندھ سکتے ہیں نہ مشائخ عظام، نہ پشتینی رئیس اس کی راہ میں مزاحم ہو سکتے ہیں نہ نو دولتیے سرمایہ دار، نہ سردار اور وڈیرے اس کا راستہ روک سکتے ہیں نہ زمیندار و جاگیردار — اور نہ کوئی میر اس کے راستے میں حائل ہو سکتا ہے نہ کوئی پیر — زیادہ سے زیادہ اگر کچھ کیا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ اس کے رُخ کو موڑنے کی کوشش کی جائے!

اِس لیے کہ مغرب کی اندھی تقلید میں ہمارا یہ "دھارا" بھی خالص مادیت ہی کے رُخ پر بہہ رہا ہے۔ اور اس کے 'INNER CORE' کا سارا خارجی لبادہ یورپ سے مستعار لیا ہوا ہے۔ چنانچہ اس کا کوئی براہِ راست سروکار نہ اللہ سے ہے نہ رسول ؐ سے اور اس میں نہ ہدایتِ آسمانی سے کوئی اعتناء ہے نہ آخرت کی جوابدہی کا کوئی ذکر، لہٰذا عدلِ اجتماعی کے جملہ تصورات و معیارات بھی مغرب ہی سے ماخوذ ہیں اور اُن کے ضمن میں افراط و تفریط کی انتہاؤں کے مابین بھٹکنے کی کیفیت بھی لامحالہ وہیں کا چربہ ہے — مزید برآں اِن کے جلو میں بے پردگی بھی ہے اور عریانی بھی، اباحیت (PERMISSIVENESS) بھی ہے اور آوارگی بھی، لاف زنی بھی ہے اور بڑھکیں بھی، بھنگڑا بھی ہے اور "ہے جمالو" بھی — اور اِن سے بھی بڑھ کر عبادات سے بے اعتنائی ہی نہیں، اُن کا استہزاء و تمسخر ہے شریعت سے بے پرواہی ہی نہیں اس کے خلاف نشوز اور بغاوت ہے اور شعائرِ اسلامی کا عدمِ احترام ہی نہیں اُن کی باضابطہ توہین و تذلیل ہے — وقس علیٰ ذالک!

فکرِ اقبال کی روشنی میں اس صورتِ حال کا علاج بھی اس کی کُلّی نفی (TOTAL NEGATION) اور بحیثیت مجموعی ردّ کر دینے (TOTAL REJECTION) میں نہیں بلکہ اس کے صحیح جزو کو قبول کرتے ہوئے غلط جزو کی اصلاح میں مضمر ہے! بالکل ایسے جیسے حضرتِ علامہ نے موجودہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو ایک ایسے نیام سے تشبیہ دی ہے جس میں سے ایمان باللہ کی تلوار نکال لی گئی ہو ؎

عشق کی تیغِ جگردار اڑا لی کس نے؟ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی!

گویا نیام تو اپنی جگہ درست اور کارآمد ہے، ضرورت صرف اس کی ہے کہ اس میں تلوار داخل کی جائے اسی طرح علم جدید میں فی نفسہٖ کوئی شے غلط نہیں ہے اور کائنات کے بارے میں معلومات کا جو عظیم خزانہ اس نے جمع کیا ہے وہ اپنی جگہ متاعِ بے بہا ہے۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ اس میں خالقِ کائنات کی معرفت و محبت کی چاشنی گھول دی جائے!

یہی وجہ ہے کہ حضرتِ علامہ نے اپنے اُس مشہور اور متنازعہ فارمولے میں کہ:

"MARXISM + GOD = ISLAM"

مغرب کے مادّی فکر کی منطقی انتہا یعنی جدلی مادیت اور اس کے بھی نقطۂ عروج یعنی مارکسزم تک کو بالکلیہ ردّ نہیں کیا بلکہ صرف اس ضرورت کا احساس دلایا ہے کہ اس میں ایمان باللہ کا تریاق شامل کر دیا جائے تو اس کی سمّیت اور زہرناکی ختم ہو جائیگی اور یہ اسلام کے بہت قریب آ جائے گا!

بنابریں فکرِ اقبال کی روشنی میں اس وقت کرنے کا اصل کام، یہ ہے کہ پاکستان کی عوامی سیاست کے عظیم دھارے کے آگے بند باندھنے کی لاحاصل ہی نہیں حد درجہ مُضر اور خطرناک کوشش کی بجائے اس میں ایمان و یقین کی چاشنی اور حکمت و معرفت کی روشنی شامل کرنے کی کوشش کی جائے اور اس طرح فی الجملہ اس کے رُخ کو آسمانی ہدایت کی جانب موڑ دیا جائے!

اور یہ کام، ظاہر ہے کہ، ہرگز آسان نہیں بلکہ نہایت مشکل اور مشقت طلب ہے البتہ

اس کے ضمن میں ایک بہت اہم اور مؤثر کردار ادا کر سکتے ہیں وہ لوگ جو اقبال کے مداح و شیدائی اور اُن کے فکر و فلسفہ اور حکمت و بصیرت سے فیض حاصل کرنے والے اور خود کو اُن کی جانب منسوب کرنے والے ہیں — اس لئے کہ اقبال کے متذکرہ بالا فارمولے کے مانند ایک بظاہر نہایت سادہ لیکن بباطن حد درجہ محکم فارمولا یہ بھی ہے کہ :

"پاکستان کا بقا اور استحکام صرف اور صرف اسلام سے وابستہ ہے اور احیاءِ اسلام کا واحد ذریعہ ہے تجدیدِ ایمان، اور ایمان کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے قرآن حکیم اور دورِ حاضر میں احیاءِ قرآن کا ایک نہایت اہم اور مؤثر ذریعہ ہے فکر و کلامِ اقبال!"

اس لئے کہ جیسے کہ میں نے ہمیشہ کہا ہے اور علیٰ وجہ البصیرت کہا ہے اور آج پھر کہہ رہا ہوں اور ڈنکے کی چوٹ کہہ رہا ہوں کہ عہدِ حاضر کے ذہنی و فکری ظروف و احوال میں قرآن حکیم کی عظمت کا جسقدر انکشاف اقبال پر ہوا، اور کسی پر نہیں ہوا — اور موجودہ دور کی اعلیٰ ترین علمی و فکری سطح پر قرآن کے علم و حکمت اور ہدایت و معرفت کی تعبیر و تبیین اور تشریح و توضیح کی ہے صرف — اور صرف اقبال نے!

لیکن اس کے لئے اقبال کے مداحوں اور شیدائیوں کو ع "پیش کر غافل اگر کوئی عمل دفتر میں ہے!" کے مصداق کردار اور عمل کے میدان میں اترنا ہوگا، اور حلقۂ اقبال کو محض ایک روایتی اور ثقافتی طائفے کی صورت اختیار کرنے بلکہ، شدّتِ احساس کے لئے معذرت خواہ ہوں، مزارِ اقبال کے مجاوروں کی حیثیت اختیار کرنے کی بجائے خود اقبال کی "خانقاہ" سے بھی باہر نکل کر "رسمِ شبیری" ادا کرنی ہوگی! اور اس کے لئے انہیں اُس ہمّت و جرأت، محنت و مشقت، ایثار و قربانی اور بے نفسی و بے غرضی کے علاوہ، جو کسی بھی عظیم مقصد کے لئے لازمی و لابدی ہیں، حسبِ ذیل عملی اقدامات کرنے ہوں گے ۔

۱ ۔ جس دین و شریعت کے نام لیوا اور علمبردار ہیں اس پر خود عمل پیرا ہونا،

اور اگر جان کی امان پاؤں تو عرض کرونگا کہ اقبال کے مدّاحوں اور شیدائیوں کیلئے سب سے مشکل اور کٹھن مرحلہ یہی ہے۔ اسی لئے کہ انہوں نے خود اقبال کی 'بے عملی' کو 'سند' کا درجہ دے دیا ہے۔ حالانکہ قطع نظر اس سے کہ خود حضرتِ علاّمہ نے اپنی بے عملی اور 'تن آسانی' کا ہمیشہ ایک کمی کی حیثیت سے برملا اعتراف کیا اور اسے کبھی سند کی حیثیت سے پیش نہیں فرمایا، اُن کے فکر کے علوّ و عظمت کے پیش نظر اُن کی 'بے عملی' کی کوئی اہمیت نہیں رہتی بلکہ بلامبالغہ مجھ ایسے لاکھوں انسانوں کا 'عمل' اُن کی 'بے عملی' پر نچھاور کیا جا سکتا ہے — لیکن دوسرا کون ہے جو اس کا مدعی بن کر سامنے آسکے؟ مولانا مودودی مرحوم نے تو حضرت علامہ کو صوفیا کے 'ملامتیہ' گروہ سے متعلق قرار دیا ہے جو اپنے 'عمل' کو لوگوں کی نگاہوں سے چھپانے کے لئے 'بے عملی' کا مظاہرہ کرتے ہیں، میں یہاں تک بھی نہیں جاتا بلکہ اسے اُس قاعدہ کلیہ کے ذیل میں شمار کرتا ہوں کہ نابغہ لوگوں کا عمل بالعموم اُن کے فکر کا ساتھ نہیں دے سکتا، تاہم اصل بات یہ ہے کہ حضرت علاّمہ ہمیں وہ فکر دے گئے جو اس دَور کے لاکھوں نہیں کروڑوں 'باعمل' لوگ بھی نہیں دے سکتے تھے لیکن اب اس فکر کو عملاً بروئے کار لانے کا اوّلین تقاضا بقول «شرط اوّل قدم این است کہ مجنوں باشی!» کے مصداق اُس اسلام پر بالفعل عمل پیرا ہونا ہے جس کی تعبیر حضرت علاّمہ نے یوں فرمائی کہ «عاشقی؟ محکم شو از تقلید یار!»

اس ضمن میں اس مغالطے پر مستزاد جس تضاد کا مظاہرہ علاّمہ مرحوم کے حلقہ بگوشوں میں نظر آتا ہے اُس کی ادنیٰ مثال یہ ہے کہ بالفرض وہ داڑھی اس لئے نہیں رکھتے کہ علاّمہ نے نہیں رکھی تو اسی دلیل کے تحت اپنے گھروں میں پردہ کیوں رائج نہیں کرتے حالانکہ اس موضوع پر حضرت علاّمہ کے افکار و آراء بھی نہایت واضح اور روز روشن کی طرح عیاں ہیں اور ان کا عمل تو اُس سے بھی کہیں زیادہ روشن و تابناک ہے! اس ضمن میں اس وقت مزید کچھ عرض کرنے سے اسی لئے گریز کرتا ہوں کہ اس دور میں حضرتِ علامہ کے اس شعر کا مصداق کامل میں ہوں کہ:

؎ کیا فائدہ کچھ کہہ کے بنوں اور بھی معتوب پہلے ہی خفا مجھ سے ہیں تہذیب کے فرزند!

تاہم یہ صرف ایک مثال ہے — ع ”قیاس کن ز گلستانِ من بہار مرا!“

۲۔ اس عظیم مقصد کیلئے علماء کرام کا تعاون حاصل کیا جائے

اور اس ضمن میں حضرتِ علامہ کی اُن تنقیدوں اور لطیف اور مزاحیہ انداز کی اُن پھبتیوں کے ساتھ ساتھ جو انہوں نے روایتی مُلّا پر چُست کی ہیں اُن کے اس طرزِ عمل کو نگاہ میں رکھا جائے کہ انہوں نے ہمیشہ علماء حق کا احترام کیا۔ یہاں تک کہ اپنے تمام تر مرتبۂ علمی و فکری کے باوجود بالغ نظر اور وسیع الذہن علماء سے خالص طالبعلمانہ انداز میں کسبِ فیض میں کبھی اپنی توہین یا سُبکی محسوس نہیں کی۔ چنانچہ علامہ سید سلیمان ندوی رحؒ کے ساتھ اُن کی خط و کتابت اس پر شاہد عادل ہے۔

خصوصاً فقہ و قانون اسلامی کے ضمن میں اس دور میں اجتہاد کے سب سے بڑے داعی اور علمبردار ہونے کے باوجود، انہوں نے خود اپنے آپ کو کبھی مجتہد مطلق نہیں سمجھا۔ بلکہ اس کے باوجود کہ عربی زبان پر انہیں عبور حاصل تھا۔ قرآن اُن کے رگ و پے میں سرایت کیے ہوئے تھا اور خود وہ تمام عمر قرآن میں غوطہ زنی کرتے رہے تھے، حکمتِ دین اُن کے ذہن و فکر کی جزوِ لاینفک تھی اور تفقہ فی الدین اُن کا اوڑھنا بچھونا تھا — قانونِ اسلامی کی تدوینِ نو کے ضمن میں انہیں کبھی یہ خیال تک نہیں آیا کہ وہ تن تنہا اس کے اہل ہیں، بلکہ کسے معلوم نہیں کہ وہ اپنی حیاتِ دنیوی کے آخری ایام تک بیہقیٔ وقت مولانا سید محمد انور شاہ کاشمیری رحؒ سے درخواست فرماتے رہے کہ وہ کسی طرح لاہور منتقل ہو جائیں تو دونوں مل کر وقت کی اس اہم ترین ضرورت سے عہدہ برآ ہونے کی کوششیں کریں۔

اِس ضمن میں قدیم اور جدید کے امتزاج کی جس قدر فکر اور خواہش حضرتِ علامہ کو تھی اُسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم و مغفور کی تحریروں میں اس امتزاج کی جھلک دیکھ کر حضرت علامہ نے انہیں دکن کی سنگلاخ زمین سے ہجرت کر کے پنجاب آنے کی دعوت دی اور اپنے ایک عقیدت مند چودھری نیاز علی مرحوم

کے ذریعے پانچ دریاؤں کی سرزمین میں اُن کے 'تمکن' کی سبیل پیدا فرمائی ۔۔ مجھے حضرت علامہ کے اِس اقدام کا پس منظر نظر آتا ہے اُن کے اس قطعے میں جو آج بھی اُن کے مرقد کی زینت بنا ہُوا ہے کہ ؎

بیا تا کارِ ایں امت بسازیم ۔۔۔ قمارِ زندگی مردانہ بازیم

چناں نالیم اندر مسجدِ شہر ۔۔۔ دلے در سینۂ ملّا گدازیم

لیکن افسوس کہ مولانا مرحوم نے برِصغیر کے مسلمانوں کی قومی جدّوجہد کے نقطۂ عروج کے آغاز پر تو یہ کہہ کر قومی سیاست سے علیحدگی اختیار کر لی تھی کہ 'میں مسلمانوں کا نہیں صرف اسلام کا کام کرنا چاہتا ہوں' ۔۔۔ لیکن قیامِ پاکستان کے بعد 'اسلام کے کام' کے لیے قومی ہی نہیں خالص سیاسی راستہ اختیار کر لیا اس پر تو اس وقت میں صرف یہ کہنے پر اکتفا کرتا ہوں کہ ۔ کاش کہ ایسا نہ ہوتا ! اور مولانا مرحوم قیام پاکستان کے بعد بھی اپنے سابق انقلابی طریق کار ہی پر عمل پیرا رہتے ، تاہم فکرِ اقبال کے شیدائیوں کی توجہ اِس جانب مبذول کرانا ضروری سمجھتا ہوں کہ جس چیز کی اہمیت حضرت علامہ کو اس وقت محسوس ہوئی تھی وہ آج بھی نہایت اہم ہے ! اور قدیم و جدید کے محکم امتزاج اور علمائے حق کے تعاون و اشتراک کے بغیر پاکستان کی قومی سیاست کے دھارے کے رُخ کو اسلام کی جانب موڑنا ناممکن ہے ۔

آخر میں جملہ شرکائے مجلس سے طویل سمع خراشی کے لیے معذرت خواہی کے ساتھ ساتھ کارکنانِ مرکزیہ مجلسِ اقبال کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے مجھے 'مجلسِ اقبال' میں شرکت کی دعوت دے کر میرا اعزاز و اکرام بھی فرمایا ۔۔۔۔ اور مجھے یہ موقع بھی عنایت فرمایا کہ اپنا دردِ دل ایسے منتخبِ روزگار حضرات کی محفل میں بیان کرسکوں ۔ اور آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین کے مطابق سب سے آخر میں شکریہ ادا کرتا ہوں اللہ کا کہ اس نے مجھے بھی تین دن کی مختصر مدّت کے اندر اپنے خیالات کو قلمبند کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور میرے ساتھیوں کو بھی ہمّت دی کہ اسی قلیل عرصہ میں اس کی طباعت کا مرحلہ طے کرلیں ۔ اگر ہم سے کوئی خیر بن آئے تو یہ سب اللہ ہی کی توفیق سے ہوتا ہے ۔۔ اور خطا ہوتی ہے تو وہ ہمارے نفوس کی شرارت ہے ۔ اقول قولی ھٰذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ۔

(نشست ۳۱)

اَلْھُدٰی

(مباحثِ ایمان)

سُورہ حٰمٓ السجدہ کی آیات ۳۰ تا ۳۶ کی روشنی میں

حَظِّ عظیم

ڈاکٹر اسرار احمد

(کے ٹیلیویژن پر نشر شدہ دروس کا سلسلہ)

(۳)

السلام علیکم۔ نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہِ الکریم۔ امّا بعد
اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ — صدق اللہ العظیم

"اور اس شخص سے بہتر بات کس کی ہوگی جو اللہ کی طرف بلاتے اور نیک عمل کرے اور کہے کہ میں یقیناً مسلمانوں میں سے ہوں"

محترم حاضرین اور معزز ناظرین

یہ سُورہ حٰمٓ السجدہ کی آیت نمبر ۳۳ ہے جس کی تلاوت اور اس کا ترجمہ آپ نے سماعت فرمایا۔ اس آیتِ مبارکہ میں تواصی بالحق کی جو بلند ترین چوٹی ہے اس کا ذکر ہو رہا ہے یعنی دعوت الی اللہ — اللہ کی طرف بلانا۔

یہ بات جان لیجئے کہ اس کائنات کی عظیم ترین حقیقت ذاتِ باری تعالیٰ ہے قرآن مجید میں ایک سے زائد مرتبہ یہ الفاظ آئے ہیں: ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ اصل حق کامل حق ذات باری تعالیٰ ہے۔ لہٰذا تواصی بالحق یعنی حق کی وصیت حق کی نصیحت، حق کی طرف دعوت کے ضمن میں اگرچہ اس سے قبل یہ عرض کیا جا چکا ہے

کہ چھوٹی سی چھوٹی اخلاقی نصیحتیں بھی اس میں شامل ہو جائیں گی۔ اس میں حقوق العباد ادا کرنے کی تلقین بھی شامل ہو جائے گی۔ کسی بھی بھلائی کی ترغیب اور کسی بھی برائی سے روکنے کی کوشش، یہ بھی تواصی بالحق میں شامل ہیں لیکن اس کی بلند ترین چوٹی یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلایا جائے۔ جیسے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارکہ ہوئی: وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذْنِهِ وَسِرَاجًا مُّنِيرًا ۔ آپؐ اللہ کی طرف بلانے والے ہیں، اس تعؐ کے حکم سے اسی تعؐ کی جانب سے مامور ہو کر۔ اور آپؐ ہدایت کے ایک روشن چراغ ہیں۔

اب یہ بات جان لیجئے کہ دعوت الی اللہ انفرادی سطح پر بھی ہو گی اور اجتماعی سطح پر بھی۔ نوعِ انسانی کو بحیثیتِ کل اور افراد کو بحیثیت فرد اللہ کی طرف بلانے کا مطلب یہ ہو گا کہ لوگوں کو اس بات کی دعوت دی جائے کہ وہ اللہ کو پہنچانیں اللہ پر ایمان اور یقین رکھیں۔ اللہ پر توکل رکھیں۔ اللہ پر اعتماد و بھروسہ رکھیں۔ اللہ کی محبت سے اپنے قلوب و اذہان کو منور کریں۔ اللہ ہی ان کا مطلوب و مقصود اور ملجا و ماویٰ بن جائے۔ پھر یہ کہ اس کی اطاعت کریں، اس تعؐ کے ہر حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیں۔ اس کی جانب سے جو بھی حکم ملے اُسے بجا لائیں۔ فرمانبرداری کی روش اختیار کریں۔ یہ تمام چیزیں جب جمع ہو جائیں گی تو اس رویے کا نام ہے عبادت۔ گویا اللہ کی عبادت کی دعوت۔ دعوتِ بندگیٔ ربّ۔ یہ ہے دعوت جو ایک ایک فردِ نوعِ بشر کے سامنے پیش کی جائے گی۔ یہ ہے دعوت الی اللہ کا حقیقی مفہوم۔ جیسا کہ ہم قرآن مجید میں دیکھتے ہیں کہ سورہ بقرہ کے تیسرے رکوع کا آغاز ہوتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ
وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

"اے لوگو! بندگی اختیار کرو، پرستش کرو، اطاعت کرو، لو لگاؤ اپنے اُس ربّ سے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے جتنے بھی انسان ہو گزرے ہیں، ان سب کو بھی پیدا کیا۔ اسی میں تمہارے لئے عافیت

ہے۔ اسی طرح تم بچ سکو گے۔ اس دُنیا میں گمراہی کے دھکّوں سے
بچنے کی سبیل یہی ہے اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے بچنے کا بھی
یہی واحد راستہ ہے۔"

نوعِ انسانی کی یہ بڑی بدبختی ہے کہ اس کی عظیم اکثریت اپنے حقیقی پروردگار، اپنے پالن ہار، اپنے خالق سے غافل ہے۔ وہ یا تو انواع و اقسام کے شرک میں مبتلا ہے اور مختلف بندگیوں اور پرستشوں میں مشغول ہے۔ یا اس میں تمرّد ہے سرکشی ہے۔ طغیان ہے وہ خود اپنی آقا اور مالک بن بیٹھی ہے۔ یا کچھ ہوشیار وچالاک انسان اپنے جیسے دوسرے انسانوں کے آقا، مالک اور حاکم بن بیٹھے ہیں اور بقول شاعر ؎ تمیزِ بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے۔ کا نقشہ جما ہوا ہے۔ ان تمام چیزوں کی نفی کر کے پوری نوع انسانی کو بلا لحاظِ ملک، بلا لحاظِ نسل، بلا لحاظ رنگ اور بلا لحاظ قوم دعوت دینا کہ وہ اللہ کی بندگی اختیار کریں اور سرکشی و تمرّد اور اپنے نفس کی خواہشات و شہوات کو چھوڑ کر اپنے آپ کو اللہ واحد کی بندگی اور پرستش کے حوالے کر دیں۔ یہ ہے دعوت الی اللہ — انفرادی سطح پر۔

اسی عبادت اِلی اللہ کا ایک مفہوم وہ ہے جس کا تعلق اجتماعی سطح سے ہے۔ یعنی یہ زمین اللہ کی ہے۔ اَلَا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ — آگاہ رہو کہ خالق وہی اللہ ہے لہٰذا حکم بھی اُسی کا چلنا چاہیے۔ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ۔ حکم کا اختیار تو اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ جب اس نے پیدا فرمایا ہے تو اُسی کے سامنے سرِ اطاعت خم ہونا چاہیے۔ اُسی کی مرضی کو یہاں نافذ ہونا چاہیے۔ جیسے اُس کی مرضی پوری کائنات میں ذرّے سے لے کر بڑے سے بڑے سیاروں تک میں ساری وجاری ہے اور پوری کائنات اس کے تکوینی قانون میں جکڑی ہوئی ہے اور اسی کا قوانین طبعیہ نافذ ہیں۔ وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّکَرْھًا — آسمانوں اور زمین میں جو بھی ہے وہ اسی کے سامنے سرِ اطاعت خم کئے ہوتے ہے۔ لیکن اس انسانی زندگی کا معاملہ ایسا ہے کہ اسے کچھ اختیار دیا گیا ہے۔ اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا

وَ اِمَّا كَفُوْرًا - اللہ تعالیٰ نے انسان کو آزادی دی ہے کہ وہ اللہ کا شکر گزار بندہ بن کر زندگی بسر کرے یا ناشکرا بن کر۔ اب اگر انسان اس اختیار اور آزادی کو اپنی مرضی اور اپنے ارادے سے اللہ کے قدموں میں لا ڈالتا ہے تو گویا حق بمقدار رسید والارادیۃ اور معاملہ اختیار کرتا ہے۔

جب یہ معاملہ اجتماعی سطح پر ہوگا تو اس کا نام ہے اقامتِ دین - یہ سورۂ حٰم السجدہ کی چند آیات ہیں جن کا ہم مطالعہ کر رہے ہیں - اور اس سے متصلاً بعد قرآن مجید میں سورۂ شوریٰ وارد ہوئی ہے - اس میں پانچ جلیل القدر انبیاء اور اولوالعزم من الرسل کا نام لے کر فرمایا گیا کہ ہم نے ان سب کو جو حکم دیا تھا وہ یہ تھا: اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ ط۔ دین کو قائم کرو اور اس کے بارے میں تفرقے میں مبتلا نہ ہو۔ اقامتِ دین یہ ہے کہ اس زمین پر انسان کی خود مختاری اور آزادی کے دائرے کے اندر اللہ تعالیٰ کے احکام، اس کے اوامر و نواہی نافذ ہوں انفرادی سطح پر بھی اور اجتماعی سطح پر بھی - اجتماعی نظام پر اسی کی حکومت قائم ہو - اسی کو ہم اقامتِ دین کہتے ہیں - اسی کو حکومتِ الٰہیہ کہتے ہیں - اسی کو ہم تعبیر کرتے ہیں اعلاء کلمۃ اللہ سے - اللہ ہی کا کلمہ سب سے بلند ہو جائے۔ لِتَكُوْنَ كَلِمَةُ اللّٰهِ هِيَ الْعُلْيَا - اللہ کا جھنڈا تمام جھنڈوں سے اونچا ہو - اللہ کی مرضی اور اس کے قانونِ تشریعی کے مطابق ساری دنیا کا اجتماعی نظام چل رہا ہو - اس کے لئے جو دعوت ہوگی، اس کے لئے جو جدوجہد کی جائے گی وہ دعوت الی اللہ کی اجتماعی صورت ہوگی -

اب غور کیجئے یہاں الفاظِ مبارکہ یہ ہیں: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ - یہ بڑا پیارا انداز ہے کہ یوں تو ہر ایک کے پاس زبان ہے اور اس زبان سے جو شخص جو چاہتا ہے نکال دیتا ہے - جیسے ہم کہتے ہیں کہ جتنے منہ اتنی باتیں - اسی طرح آپ کو دنیا میں بیسیوں دعوتیں ملیں گی - جو بھی ذہین تر لوگ ہیں وہ کسی نہ کسی دعوت کے داعی اور کسی نہ کسی نظریہ کے علم بردار ہو کر کھڑے ہوتے ہیں - لیکن فرمایا کہ ان تمام دعوتوں

میں بلند ترین، ان تمام دعوتوں میں سے سب سے اعلیٰ وارفع اور احسن دعوت یہ ہے کہ اللہ کی طرف بلایا جا رہا ہو۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ
اس کے بعد فرمایا: وَعَمِلَ صَالِحًا۔ "اور وہ نیک عمل کرتا ہو"۔
معلوم ہوا کہ عملِ صالح دعوتِ الی اللہ کی شرطِ لازم ہے۔ دعوت الی اللہ مؤثر نہیں ہوگی جب تک داعی کی اپنی زندگی میں اخلاقِ حسنہ اور اخلاقِ عالیہ کا منظر لوگوں کو نظر نہ آئے ۔ دوسری دعوتوں کو لے کر کھڑے ہونے والوں کو لوگ نظر انداز کر سکتے ہیں، معاف کر سکتے ہیں۔ اشتراکیت کی دعوت کا پرچار کرنے والوں کے اخلاق و معاملات کی طرف لوگوں کو نگاہ نہیں اٹھے گی ۔ لیکن جو اللہ کی طرف بلانے کا داعیہ لے کر اُٹھے۔ داعی الی اللہ بن کر لوگوں کے سامنے آئے تو اچھی طرح جان لیجئے کہ اس کی سیرت و کردار، اس کے اخلاق و معاملات پر لوگوں کی تنقیدی نگاہیں پڑ کر رہیں گی ۔ اس دعوت کی تاثیر اگر ہے تو وہ عمل صالح میں ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ و مطہرہ میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ جب آپؐ کو دعوت و تبلیغ کا حکم ہوا اور آپؐ نے پہلا جلسہ عام منعقد فرمایا کوہ صفا پر آپؐ کھڑے ہوئے اور آپؐ نے وا صباحاہ کا نعرہ لگایا جس کو سن کر لوگ جمع ہوئے تو سب سے پہلے آپؐ نے اپنی سیرت، اپنے کردار اور اپنی صداقت و امانت کو دعوت کی دلیل کے طور پر پیش فرمایا۔ آپؐ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ لوگو! تم نے مجھے کیا پایا! لوگوں نے بیک زبان یہ کہا کہ ہم نے آپؐ کو الصادق اور الامین پایا ہے ۔ آپؐ سچے ہیں اور امانت دار ہیں ۔ ہمیں آپؐ سے کبھی جھوٹ کا تجربہ نہیں ہوا ۔ ہم میں کسی کو آپ سے کسی بد معاملگی کا تجربہ نہیں ہوا ۔ تو یہ عملِ صالح اور یہ خلق عظیم اور حسن معاملگی آپؐ کی دعوت کے حق ہونے کی دلیل ہے ۔ اور درحقیقت داعی الی اللہ کے ہاتھ میں جو قوتِ تسخیر ہوتی ہے جو دلوں کو فتح کرتی ہے ۔ بقول کسے ع جو دلوں کو فتح کر لے وہی فاتح زمانہ ۔ داعی الی اللہ کے ساتھ جو موثر ترین طاقت ہوتی ہے وہ اس کا اپنا کردار، اس کی اپنی سیرت اس کا اپنا اخلاق ہوتا ہے اگر اس کے اندر لوگوں کو اخلاق حسنہ کا نمونہ نظر آئے گا اور وہ

اُسے راست گو اور راست باز پائیں گے تو لوگ اس کی طرف کھنچتے چلے جائیں گے اور اس کی بات کھلے دل کے ساتھ سنیں گے۔

یہی وجہ ہے کہ سُورۃ الصف میں ہم مسلمانوں کو جھنجوڑنے کے انداز میں فرمایا گیا۔ چونکہ ہمارا تو فرضِ منصبی دعوت الی اللہ ہے۔ جیسے سورہ آلِ عمران میں فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ "تمہیں تو بہترین اُمّت بنایا اور لوگوں کے لئے برپا ہی کیا اسلئے گیا ہے کہ تم نیکیوں کا حکم دیتے ہو اور بُرائیوں سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو"۔ لہٰذا اگر ہمارے قول و عمل میں تضاد ہو گا تو اس سے دعوت بدنام ہو جائے گی اس لئے سورہ الصف میں متنبہ کیا گیا: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ ۝ "اے اہلِ ایمان! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو۔ اللہ کے غضب کو بھڑکانے والی ہے یہ بات کہ تم وہ بات کہو جو تم کرتے نہیں ہو"۔ قرآن مجید میں یہود پر جو تنقیدیں ہوئی ہیں اُسی کے ضمن میں سورہ بقرہ میں خاص طور پر ان کے علماء کے متعلق یہ الفاظ آئے ہیں جو اس موضوع سے بہت متعلق ہیں کہ:
اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ "کیا تم لوگوں کو خیر، بھلائی اور نیکی کی تلقین کرتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو درآں حالانکہ تم کتاب کے پڑھنے والے اور اس کے عالم ہو تو کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ ؟"۔ تمہاری یہ ساری تلقین، نصیحت اور تمہاری خیر کی اور اللہ کی طرف یہ دعوت غیر مؤثر رہے گی اگر تمہارا کردار اس کے مطابق نہیں ہے۔ تمہاری اپنی سیرتیں اور شخصیتیں اس سے خالی ہیں اور اس کا کوئی نمونہ عملاً تمہارے اندر موجود نہیں ہے —— تو یہاں ان تمام مفاہیم کو سمو کر فرمایا: وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا۔

اس آیت مبارکہ کا آخری ٹکڑا بہت اہم ہے۔ جیسے انگریزی میں کہتے ہیں۔

LAST BUT NOT THE LEAST فرمایا: وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ "اور وہ یہ کہے میں بھی مسلمانوں میں سے ہوں" یہ جملہ یہاں پر تین معانی و مفاہیم دے رہا ہے ـ

پہلا مفہوم یہ کہ اگر ماحول مخالفانہ ہے' ناموافق ہے ـ زبان پر کلمۂ اسلام لانے کا نتیجہ مصائب و شدائد کو دعوت دینا ہے جیسا کہ مکّہ میں عملاً یہی کچھ ہوا اور یہ سورہ مبارکہ مکی ہے ـ اس ماحول میں یہ کلمہ کلمۂ عزیمت ہے : اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ـ کہ انسان خم ٹھوک کر اعلان کرے کہ میں مسلمانوں میں سے ہوں ـ میں نے شعوری طور پر یہ راستہ اختیار کیا ہے' جیسا کہ سورہ یٰسٓ میں اُس بستی کا ذکر ہوا ہے جہاں دعوت الی اللہ کے لئے پہلے دو پھر تیسرے رسول یعنی بیک وقت تین رسول بھیجے گئے وہاں اس بستی میں سے ایک نیک طینت و نیک خصلت صاحب نے ان کی دعوت کو قبول کیا ان کا حال اس سورہ مبارکہ میں بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اس بستی میں ایک مجمع عام میں یہ کہا : اِنِّیْٓ اٰمَنْتُ بِرَبِّکُمْ فَاسْمَعُوْنِ ۝ کان کھول کر سن لو میں تو تمہارے رب پر ایمان لا چکا ـ تو یہ کلمۂ عزیمت ہے' یہ جرأت و ہمّت کا اظہار ہے ـ

دوسرا مفہوم اس اعتبار سے کہ یہ ایک کلمۂ تواضع ہے ـ اس لئے کہ واقعہ یہ ہے کہ جو شخص دعوتِ الی اللہ کے منصب پر فائز ہو جائے ـ جو لوگوں کو خیر کی بھلائی کی' اللہ کی بندگی کی اور اس کے دین کو قائم کرنے کی دعوت دے رہا ہو ـ اس کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور اندیشہ اس بات کا ہوتا ہے کہ کہیں اس کے دل میں تکبر کوئی عُجب' جذبۂ تفاخر' اپنے بڑے ہونے کا احساس پیدا نہ ہو جائے ـ وہ لوگوں کو کہیں بہ نظر استحقار دیکھنا شروع نہ کر دے اور اپنے آپ کو ان سے بالا و برتر نہ سمجھنے لگے ـ تو ان الفاظ میں ان تمام خطرات کا سدباب کیا جا رہا ہے کہ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ اور وہ یہ کہے کہ میں بھی مسلمانوں ہی میں سے ہوں ـ جیسے عام مسلمان ہیں' میں بھی ویسا ہی مسلمان ہوں ـ جیسا کہ ہم سورہ لقمان میں مطالعہ کر چکے ہیں کہ جہاں وہ بات

آئی تھی: يٰبُنَيَّ اَقِمِ الصَّلٰوةَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاصْبِرْ عَلٰى مَا اَصَابَكَ ط تو اس کے بعد فوراً ہی اگلی آیت میں الفاظ آئے: وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِي الْاَرْضِ مَرَحًا ط" اپنے گالوں کو لوگوں کے لئے پھلا کر نہ رکھو۔ لوگوں کے لئے کج ادائی اختیار نہ کرو۔ اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو"۔ کہیں یہ عجب اور یہ تکبر تمہارے کئے دھرے پر پانی نہ پھیر دے۔ تمہاری ساری کوششیں بے اثر اور معدوم کے درجہ میں ہو جائیں گی اگر یہ تکبر و عجب پیدا ہو گیا۔ نبی اکرمؐ کے بارے میں ہمیں سیرتِ مطہرہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ جب صحابہ کرامؓ کے ساتھ رونق افروز ہوتے تھے تو آپؐ اپنی کوئی امتیازی شان قائم ہونے نہ دیتے تھے۔ بسا اوقات باہر سے کسی نئے آنے والے کو یہ معلوم کرنا دشوار ہو جاتا تھا کہ اس مجلس میں محمد رسول اللہ کون سے ہیں۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ اس طرح آپؐ ملے جلے رہتے تھے۔ آپؐ اس کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ آپؐ جب مجلس میں تشریف لائیں تو لوگ آپؐ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جائیں۔ آپؐ اکڑوں بیٹھ کر کھانا کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں تو اللہ کا ایک غلام ہوں اسی لئے غلاموں کی طرح کھانا کھاتا ہوں۔ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۔ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ہ میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا۔

اس کا تیسرا مفہوم ہمارے اس دور میں بہت ہی زیادہ قابل توجہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ دعوت و تبلیغ کے منصب پر جو لوگ فائز ہو جائیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ توفیق مل جائے جو بہت ہی اعلیٰ توفیق ہے جس کو بھی پروردگار کی طرف سے اس کی ارزانی ہو جائے اس پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔ ایسے شخص کو یہ بات جان لینی چاہیئے کہ وہ دعوتِ اسلام کی دے۔ اسلام کے اُن بنیادی امور (FUNDAMENTALS) کی دعوت دے جو سب کے نزدیک مشترک ہیں جو متفق علیہ ہیں جن میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہمارے مابین جو بھی فقہی اختلافات ہیں یا کلامی تعبیرات کے اعتبارات سے کچھ اونچ

نیچ ہوگئی ہے - ان میں انیس بیس کا فرق ہے اس سے زاید نہیں ہے -
لیکن اگر اس فرق ہی کو اور ان فقہی اختلافات ہی کو ہوا دی جاتی رہے گی تو
ان کی اہمیت بڑھتی چلی جائے گی - اُمت فرقوں اور گروہوں میں تقسیم در تقسیم
ہوتی چلی جائے گی اور وحدتِ امت میں انتشار وافتراق بڑھتا چلا جائیگا۔
اس کے برعکس روش یہ ہونی چاہیئے کہ دعوت خالصتاً اسلام کی ہو کسی فقہی
مسلک و مکتب فکر کی طرف دعوت نہ ہو - اسلام کے متفق علیہ امور اخلاق و
معاملات کی وہ تعلیم و دعوت ہو جو سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں ۔ دین کی
بنیادی تعلیمات کے اس اصول و مبادی کی دعوت دی جائے کہ جس کے بارے
میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں ہے - یہ تمام مفاہیم اس آیت کے آخری حصے
سے مستنبط ہوتے ہیں کہ وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ٥ ایسا نہ ہو کہ کوئی
شخص دعوت الی اللہ کا جذبہ لے کر اٹھے لیکن وہ اپنے طرز عمل سے مسلمانوں
میں ایک اور تقسیم کا باعث بن جائے اور ایک نئے فرقے کی بنا رکھ دے -
بلکہ اس کی دعوت ہونی چاہیئے اسلام اور صرف اسلام کی طرف -

یہ آیتِ مبارکہ دعوتِ الی اللہ کے ضمن میں نہایت جامع رہنمائی اور
ہدایات کی حامل ہے - جس کے بارے میں، میں نے عرض کیا کہ یہ تواصی بالحق
کی بلند ترین چوٹی ہے - اس کا ذروہ سنام ہے - اب میں یہ چاہوں گا کہ
آج کی گفتگو کے سلسلہ میں اگر کوئی سوال ہو یا کوئی وضاحت مطلوب ہو تو
پیش فرمائیں -

سوال و جواب

سوال: ڈاکٹر صاحب! آپ نے کہا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی حقیقت
اللہ تعالیٰ کی ذات ہے - اور اللہ تعالیٰ کی طرف بلانا حق کی طرف بلانا ہے۔
چنانچہ دنیا کے جو دوسرے مذاہب ہیں جیسے یہودیت ہے عیسائیت ہے وہ بھی
تو اللہ تعالیٰ کی طرف بلاتے ہیں تو اِن میں کیا فرق ہے؟ ذرا اس کی وضاحت
فرما دیں -!

جواب: ایک ہے اللہ کی طرف بلانا اس کی خالص توحید کے ساتھ جیسے

یہودیت عیسائیت یا دنیا میں جو دوسرے مذاہب ہیں وہ بھی اپنے دور میں اللہ تعالیٰ ہی طرف اور توحید باری تعالیٰ ہی طرف بُلانے والے مذاہب تھے ۔ لیکن ہوا یہ کہ ان سب میں بعد میں شرک کی آمیزش اور آلائش شامل ہو گئی ۔ مثلاً عیسائیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ تثلیث کا عقیدہ ہے ۔ ایک میں تین تین میں ایک' پھر ان کے ہاں سرے سے کوئی شریعت موجود ہی نہیں تو حلال و حرام کی قیود بھی مفقود ہیں ۔ اسی طرح یہودیت میں بھی شریعت میں اتنی تحریفات ہوئیں کہ اس کا حلیہ ہی بالکل تبدیل ہو گیا ۔ یہی حال بلکہ اس سے بھی بدتر حال دوسرے مذاہب کا ہوا جن میں شرک کی بے شمار آلائشیں اور آمیزشیں شامل ہو گئیں تو ان تمام آمیزشوں اور آلائشوں سے پاک کر کے خالص توحید کے ساتھ اللہ کی طرف دعوت دینے کے لئے جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ۔ پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ جیسے ہم نے پہلے درسوں میں دیکھا ہے کہ یوں تو ایمان لانا ضروری ہے اللہ پر بھی، آخرت پر بھی، کتابوں پر بھی نبوت و رسالت پر بھی ۔ لیکن ایمان کی چوٹی اور اس کا لبّ لباب یہ ہے کہ اللہ کی ربوبیت پر انسان کا دل ٹھک جائے ۔ چنانچہ سورہ حٰمٓ السجدہ کی چند آیات کے درس کا جو سلسلہ چل رہا ہے ۔ اس کی پہلی آیت میں فرمایا گیا تھا : اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا ۔ جس کا ہم مطالعہ کر چکے ہیں اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ صرف اللہ پر ایمان لانا ضروری ہے اور باقی ایمانیات غیر ضروری ہیں معاذ اللہ ۔ یہ مغالطہ نہیں ہونا چاہیے ۔ اسی طرح دعوت الی الخیر کی جو چوٹی ہے ۔ وہ دعوت اِلَی اللہ ہے ۔ لیکن چوٹی کسی بنیاد د   ) کے بغیر نہیں ہوتی ۔ لہٰذا بنیاد میں جو جزا شامل ہیں وہ سب کے سب دعوت الی اللہ میں بھی آپ سے آپ شامل ہیں ۔ چنانچہ اس میں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی دعوت بھی اس میں شامل ہے ۔ حاصل کلام یہ ہے کہ تواصی بالحق کی چوٹی یہ ہے کہ انفرادی و اجتماعی دونوں سطحوں پر اللہ کی طرف دعوت دی جائے ۔

ڈاکٹر صاحب! آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ کی طرف بلانا عمل کی بلند ترین چوٹی ہے جبکہ انسان کو ضروریاتِ زندگی کی ہر وقت احتیاج ہے تو کیا ان کی طرف سے نگاہیں ہٹا لینی چاہئیں کیا اس طرح رہبانیت کا تصوّر پیدا نہیں ہوتا۔؟

جواب : میری آج کی گفتگو سے یہ کہاں متبادر ہوا کہ ضروریاتِ زندگی کا حصول اور اس کے لئے کوشش کوئی ممنوعہ بات ہے۔ آپ کے سوال میں ایک مغالطہ ہے اس کو نوٹ کیجئے۔ زندگی کا مقصد ضروریاتِ زندگی کی تحصیل نہیں ہے۔ ضروریاتِ زندگی کی تحصیل تو زندگی کو باقی رکھنے کا ذریعہ ہے۔ زندگی کا اپنا مقصد کیا ہے؟ یہ ایک بالکل مختلف سوال ہے۔ زندگی کو برقرار رکھنے والی چیزیں ہیں ضروریاتِ زندگی۔ لیکن زندگی کس لئے ہے۔؟ اس کو شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر سے سمجھئے۔

زندگی آمد برائے بندگی　　زندگی بے بندگی شرمندگی

اس زندگی کا مقصد ہے اللہ تعالےٰ کی بندگی : وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ ۝ اس اعتبار سے از روئے قرآن ہمارا جو مقصودِ حیات ہے وہ اللہ تعالےٰ کی بندگی ہے۔ اس کے لئے جو دعوت دی جائے گی، وہ تمام دعوتوں میں اعلیٰ و ارفع ترین دعوت ہے۔

حضرات! آج کی نشست میں دو سوالوں کے جواب میں آخر میں جو کچھ عرض کیا گیا وہی آج کی گفتگو کا حاصل اور لُبِّ لباب ہے۔ اللہ تعالےٰ ہمارے دلوں میں یہ امنگ اور یہ جذبہ پیدا فرما دے کہ ہم بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں اللہ کی طرف دعوت دینے والے بن جائیں۔ اور ہم بھی قرآن کی اس آیت اور الفاظ مبارکہ کی مصداق بن جائیں کہ :

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ط ــــ آمین یا ربّ العٰلمین۔

وَآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ ربّ العٰلمین ۝

تواضع کے بہتر آداب
آپ کا بہترین انتخاب
فریشول
حلوہ جوزی
AHMED'S
Freshwel
RASGULLA
Freshwel
KARACHI
HALWA
Freshwel
ایکم (پرائیویٹ) لمیٹڈ

روزہ، قرآن اور دُعا!

آیاتِ صوم کی روشنی میں

[ذیل کا مضمون ڈاکٹر اسرار احمد صاحب، صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن اور امیر تنظیم اسلامی، کے درس قرآن سے ماخوذ ہے۔]

ڈاکٹر عبدالسمیع

سورۃ بقرۃ کے ۲۳ ویں رکوع میں روزہ کا مضمون یکجا اور مفصل بیان ہوا ہے جو حکم و حکمتِ صوم، فضیلتِ ماہِ رمضان اور روزہ سے متعلقہ مسائل پر مشتمل ہے۔ اس مضمون میں ایک آیت دعا کی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے۔ یاد رہے کہ قرآن مجید کسی شاعر کی شاعری نہیں بلکہ ایک فیصلہ کن قول مبارک ہے۔ اس کی آیات باہم مربوط ہیں۔ لہٰذا روزے کے مضمون میں دعا کا ذکر قطعاً بے معنی نہیں ہو سکتا۔ کیوں نہ اس کو سمجھنے کی کوشش کی جائے، اللہ ہمیں قرآن کی صحیح سمجھ سے نوازے! (آمین)

حکم و حکمتِ صوم: پہلی آیت میں فرمایا: "ایمان والو! تم پر روزہ رکھنا (صیام) فرض کیا گیا جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا۔ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔" (یعنی اللہ کی نافرمانی سے بچ کر اس کے عذاب سے بچنے والے بن جاؤ) عربی بڑی ہی SCIENTIFIC زبان ہے۔ اس میں اکثر الفاظ تین یا چار حرفی مادے سے نکلتے ہیں اور اس مادے کی ساخت اور اعراب میں معمولی تبدیلیوں سے سینکڑوں الفاظ بنتے چلے جاتے ہیں۔ جن کا اپنا علیحدہ مطلب بھی ہوتا ہے جبکہ ان کا اصل مادے سے معنوی ربط بھی برقرار رہتا ہے، مثلاً ع ل م سے علم، علوم، عالم، معلم، متعلم اور معلوم وغیرہ۔ حکم اور حکمت بھی ایک ہی مادے سے ہیں۔ حکم کسی کام کے ظاہر سے متعلق ہوتا ہے کہ اس کو کرنا اور یوں کرنا ہے۔ جبکہ حکمت اس کام کے فوائد اور باطنی اثرات سے بحث کرتی ہے۔ اسی طرح مذکورہ آیت میں پہلے حکم ہے، پھر ترغیب اور آخر میں حکمت پر روشنی ڈالی گئی ہے کہ اللہ کو ہمارے روزوں کی ضرورت نہیں بلکہ اس میں ہمارا ہی فائدہ ہے کہ یہ اللہ کی معصیت اور

عذابِ خداوندی سے بچنے میں مدد دیتے ہیں۔

حقیقتِ صوم : صوم کے لغوی معنی : عرب 'صوم' کا لفظ ایک خاص جنگی تربیت کے لئے استعمال کرتے تھے جس میں گھوڑے کو بھوک اور پیاس کا عادی بنا کر جنگ کے لئے تیار کیا جاتا تھا۔ لہٰذا جونہی گھوڑا جوان ہوتا عرب اس کو آہستہ آہستہ بھوکا اور پیاسا دھوپ میں کھڑا کرتے۔

حقیقتِ انسان : انسان مجموعہ ہے جسدِ حیوانی کا اور روحِ ربانی کا۔ روح کیا ہے ؟ یہ اللہ کا ایک نور ہے جو انسان کے اندر ودیعت کیا گیا ہے[1]۔ یاد رہے کہ روح LIFE یا زندگی کا دوسرا نام نہیں۔ زندگی تو پودوں کی پتیوں میں بھی ہوتی ہے مگر ان میں روح نہیں ہوتی۔ اسی طرح انسان کے علاوہ دوسرے حیوان زندگی تو رکھتے ہیں مگر روح نہیں۔ روح ہی انسان کا اصلی وجود ہے اور اسی کی بنا پر انسان اشرف المخلوقات ہے، روح کوئی خیالی شے نہیں، بلکہ اس کا ایک مشخص وجود ہے۔ جب کہا جاتا ہے 'یہ میری کتاب ہے'، 'یہ میرا ہاتھ ہے'، یہ میرا دماغ ہے اور یہ میرا دل ہے'، تو وہ روح ہی ہے جو تمام اشیاء پر اپنی ملکیت جتلا رہی ہوتی ہے۔ روح، قرآن مجید کی اصطلاح ہے، فلاسفہ اس کو 'میں' 'انا' اور 'EGO' کہتے ہیں۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسے خودی کہہ کر اس کی خدا کے ساتھ نسبت کو ملحوظ رکھنے کی کوشش کی ہے۔ جسم خاکی الاصل ہے اور ایک مادی وجود ہے جبکہ روح ایک آسمانی نور ہے۔ دماغ جو انسان کے جسدِ خاکی کا ایک عضو ہے روح کی حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہے بعینہٖ معاملہ منبع روح یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کا ہے ؎

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا

بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے   داکبرؔ

جسم اور روح کا تعلق : گھوڑے اور سوار کی طرح کا معاملہ جسم اور روح کا ہے۔ روح جسم کی سوار ہے۔ جس طرح ایک اچھا سوار اپنے گھوڑے سے مرضی کے مطابق کام لیتا ہے اور اس کے برعکس بے قابو گھوڑا اپنے سوار کو بھی کسی کھڈ میں جا گراتا ہے، اسی طرح ایک قوی روح جسم سے بڑے عمدہ کام لیتی ہے لیکن اگر جسم کی قوت غالب آ جائے تو وہ روح کو بھی ہلاک کر ڈالتا ہے۔

---

[1] فنفخت فیہ من روحی

رُوح اور جسم کا فطری تقابل: اصولاً ہر چیز اپنے اصل اور ORIGIN کی طرف لوٹتی ہے۔ للٰہذا جسم زمین ہی میں دفن ہوتا ہے اور روح آسمان کی طرف پرواز کرتی ہے۔ مگر اس کے باوجود امتحان کی غرض سے زندگی کے ایک معین عرصے میں پہلی دفعہ روح اور جسم کو جوڑا جاتا ہے اس وقفۂ زندگی میں فطری تقابل کی بنا پر روح اپنی حکومت چاہتی ہے اور جسم اپنا غلبہ چاہتا ہے۔ ایسے میں اگر روح کمزور پڑ جائے اور جسم کو بے جا ڈھیل مل جائے تو انسان کو اونچا کرنے والی نیک خواہشات پر جسم کی گھٹیا خواہشات کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً انسان نیک خواہشات رکھتے ہوئے بھی برائی ہی کرتا ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت و زہد
پر طبیعت ادھر نہیں آتی (غالبؔ)

صوم کا مذہبی مفہوم اور حصولِ تقویٰ: مذاہب میں بھی گھوڑے کی تربیت والے عمل کی طرح روح کے غلبے کو مضبوط کرنے والی ایک پریکٹس کو صوم ہی کہا گیا، جس میں جسم کی جائز فطری خواہشات پر بھی کچھ دیر کے لئے پابندی عائد کرکے جسم کو پہلے روح کے مقابلے میں کمزور کیا جاتا ہے۔ پھر جب روح غالب آجاتی ہے تو جسم کو توانا بنا کر اسی سے اپنی مرضی کے مطابق کام لیتی ہے کیونکہ محدود مدت میں جائز خواہشات پر کنٹرول آئندہ کم از کم ناجائز خواہشات سے بچنے میں ضرور مدد دیتا ہے' یہ تو ہوا 'تقویٰ' یا 'بچ جانا' نتیجتاً مثبت طور پر انسان کے دل میں اپنے خالق سے ملنے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور اس جذبے کی تسکین کے لئے وہ اللہ سے مدد اور رہنمائی کا طالب ہوتا ہے[۱]۔ اس رکوع کی دوسری آیت میں روزے کے کچھ ابتدائی احکام بیان ہوئے جن میں سے ایک حکم بعد میں منسوخ بھی ہو گیا۔ رکوع کی تیسری آیت میں ماہِ رمضان کی فضیلت کی وجہ بتائی گئی ہے اور فرمایا گیا ہے "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا لوگوں کیلئے ہدایت بنا کر اور حق و باطل کے کھلے امتیازات کے

---

[۱] ایاک نعبد و ایاک نستعین ۰ اھدنا الصراط المستقیم اور پھر اسی کی قبولیت ہے۔ پورا قرآن مجید جو شروع ہوتا ہے ان الفاظ سے" الم ۰ ذالک الکتاب لاریب فیہ ھدی للمتقین یاد رہے کہ قرآن خود کو ھدی للناس بھی کہتا ہے للٰہذا یہ نازل تو ہوا ہے تمام لوگوں کے لئے رہنمائی بن کر۔ مگر اس سے اصلی رہنمائی صرف وہی پاتے ہیں جو متقی ہوں۔

ساتھ۔ سو جو کوئی بھی تم میں سے اس ماہ میں موجود ہو وہ اس کے روزے رکھے اور جو بیمار ہو تو دوسرے ایام میں گنتی پوری کرے۔ اللہ تمہارے لئے آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لئے سختی نہیں چاہتا کہ جس نے جو تم کو ہدایت بخشی ہے۔ اس پر اس کی بڑائی کرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ۔"

فضیلتِ ماہِ رمضان: ماہِ رمضان کی فضیلت کی وجہ یہ بتائی کہ اس میں اللہ کی عظیم نعمت قرآن کا نزول ہوا۔ اس نزول سے قرآن کا لوحِ محفوظ سے آسمانِ دنیا میں نزول ہے جو اس ماہ کی ایک رات (لیلۃ القدر) میں ہوا۔

قرآن اللہ سے جڑنے کا ذریعہ: قرآن کو صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی مضبوط رسی قرار دیا اور اس کے ساتھ جڑ جانے کی وصیت کی اور خود قرآن نے بھی اس کو تھامنے کا حکم دیا۔[۳] اس رسی کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا جبرئیلؑ اور حضورؐ کے واسطے سے امت تک پہنچا ہے، اور اللہ راضی ہو صحابہ کرام سے اور اللہ کی رحمتیں ہوں محدثین حضرات پر کہ جنہوں نے پھولوں کی ان لڑیوں کو بھی محفوظ کیا جو حضورؐ نے اس رسی کے حسن کو دوبالا کرنے کے لئے جابجا اس کے ساتھ ٹانکیں، میری مراد آپؐ کی پیاری احادیث اور آپؐ کی سنت مطہرہ سے ہے جو ان احادیث کے پہرے میں اس قرآن کو کتاب ہدایت مانتے ہوئے اس کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے اس کی تلاوت کا حق ادا کرتا ہے۔ اس پر پورا پورا عمل کرتا ہے[۴] اور ساتھ ہی اس کی تبلیغ کا حق ادا کرتا ہے تو وہ اس رسی کو اس طرح تھام لیتا ہے جس طرح اس کو تھام لینے کا حق ہے۔[۵] ذرا غور کیجئے اب وہ بیک وقت اللہ اور اس کے مقرب بندوں سے جڑ گیا۔ پھر کیوں نہ اللہ کے اس عظیم احسان پر اللہ کی بڑائی بیان کی جائے اور اس کا شکر بجالایا جائے۔ چوتھی آیت میں فرمایا:

"اور جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ ان کو بتا دیجئے کہ میں ان کے بہت قریب ہوں، جب دعا کرنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا کو سنتا اور قبول کرتا ہوں پس ان کو بھی چاہیئے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ ہی پر ایمان لائیں تاکہ وہ (واقعی) ہدایت پائیں۔"

رُوح کی پاکیزگی، اللہ سے رابطہ اور دعا کی حقیقت: روحِ انسانی جو درحقیقت

---

[۳] اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور پھر تفرقہ نہ ڈالو (آل عمران)

[۴] ہاں! جس نے کمائی (خواہ) ایک برائی اور اس پر گھیرا ڈال دیا تو وہی لوگ آگ والے ہیں [۸۱]

[۵] مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق مؤلفہ ڈاکٹر اسرار احمد

روحِ ربانی ہے جب ایک متقی آدمی کے تمسک بالقرآن کی بدولت پاکیزگی کے جملہ مدارج طے کرتی ہوئی انتہائی شفاف ہو جاتی ہے تو اس کی مثال سورج کی ایک ایسی شعاع کی سی ہوتی ہے جو بغیر کسی رکاوٹ کے زمین تک پہنچ رہی ہو اور چونکہ اسے کوئی چیز راستے میں قطع نہیں کرتی۔ لہٰذا وہ سورج سے علیحدہ ہونے کے باوجود اس سے اپنا تعلق قائم رکھتی ہے۔ گویا ایک مومن اپنے دل میں خدا کو ہر وقت موجود پاتا ہے۔ کیونکہ دل ہی اس روح کا مسکن ہے جو خدا سے براہِ راست رابطہ رکھتی ہے، تو اب مومن کی دعا اور پکار زبان اور الفاظ کی محتاج نہیں حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوّا سلام اللہ علیہا سے جو غلطی سرزد ہوئی تو اس پر انہوں نے اللہ کے سامنے دل میں گہری ندامت کا اظہار کیا تو اللہ نے خود ان کو الفاظ بھی تلقین فرما دیئے۔

دعا اور علمِ انسانی: انسانی کا علم محدود بلکہ مفقود ہے اور یہ اپنی اچھائی اور برائی سے ناواقف ہے[۴] اور یہ اسی بات کا نتیجہ ہے جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل کی آیت نمبر ۱۱ میں فرمایا ہے کہ انسان اس قدر جلد باز ہے کہ اچھائی کے بدلے برائی مانگ بیٹھتا ہے۔ یعنی اللہ کی کسی نعمت کی حکمت کو سمجھے بغیر اس کے فوری نتائج سے گھبرا کر اس نعمت سے اپنی تنگی کا اظہار اللہ سے کر دیتا ہے اور اللہ سے اس خیر کی بجائے شر کی دعا مانگتا ہے۔

بندے کی دعا اور مالک کا ردِ عمل: اللہ جو ہمارا ہم سے زیادہ خیر خواہ ہے اگر ہمیں ہماری مرضی کے مطابق عطا نہ کرے تو یہ بات ہرگز دل میں نہ آئے کہ وہ چیز کیوں نہیں ملی۔ کیونکہ اس کے نہ ملنے میں ہمارے نہ جانے کتنے فائدے مضمر ہوتے ہیں۔ بچہ کھیلنا چاہتا ہے مگر بچّے کے والدین جو بچّے کے اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے زیادہ خیر خواہ ہوتے ہیں۔ اپنے لختِ جگر کو اس کی خواہش کے خلاف سکول بھیجتے ہیں۔ کیونکہ وہ تعلیم کو نتیجتاً اپنے بچّے کے حق میں بہتر سمجھتے ہیں، اور عقلمند والدین بچے کی ہر اچھی، بری خواہش کبھی پورا نہیں کرتے[۵] تو ہمارا مالک و خالق ہمیں اگر

---

[۴] حضورؐ نے فرمایا: "اللہ کو اپنی مخلوق سے اس قدر سے محبت ہے کہ جس قدر ایک شفیق ترین باپ کو اپنی اولاد سے بھی نہیں ہوتی۔"

[۵] ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو مگر وہ تمہارے لئے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے تم ایک چیز کو پسند کرو حالانکہ وہ تمہارے لئے بری ہو، اور اللہ تو جانتا ہے مگر تم نہیں جانتے (البقرۃ آیت ۲۱۶)

ہماری خواہش کے مطابق عطا نہیں کرتا تو ہمارے ہی فائدے کے لئے اور پھر یہ اس کی شفقت کا نتیجہ ہے کہ وہ ہماری جو خواہش دنیا کے اعتبار سے قبول نہیں کرتا ان پر بھی آخرت میں اجر محفوظ رکھتا ہے کیونکہ وہ شاید اس سے بڑھ کر اور اس کسی بات سے خوش نہیں ہوتا کہ اس کا بندہ صرف اسی کو پکار رہا ہے۔

خلاصۂ کلام: روزہ حصولِ تقویٰ کے لئے ہے اور تقویٰ قرآن سے جڑنے کیلئے ہے اور قرآنِ مجید ذریعہ ہے اللہ کی معرفت دلانے کا اور اللہ سے جوڑنے کا جبکہ تعلق مع اللہ کا مظہرِ اتم 'دعا' ہے کہ انسان براہِ راست پورے اطمینانِ قلب کے ساتھ خالص نجی سطح پر اپنے رب سے مخاطب ہو سکے اور اس کو پکار سکے۔ اسی لئے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کو عبادت کا اصلی جوہر قرار دیا۔ یاد رہے کہ تمام عبادات کا اصل مقصود یہی ہے۔ نماز، زکوٰۃ اور حج بھی اس منزل کو پہنچنے کے ذریعے ہیں جو روزے ہی کی طرح خود اللہ نے تلقین فرمائے ہیں۔ دراصل عبادت دعا ہی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "الدعاء هو العبادة" اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا صحیح تعلق نصیب فرمائے۔

اسلامی انقلاب : مراحل، مدارج اور لوازم

فتحِ مُبین

صُلح حدیبیہ ○ فتحِ خیبر اور فتح مکہ

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کے

ساتویں خطاب کی پہلی قسط

ترتیب و تسوید جمیل الرحمٰن

○

الحمدلله وکفیٰ والصّلوٰۃ والسّلام علیٰ عبادہِ الّذین اصطفیٰ خصوصًا علیٰ افضلھم خاتم النبیّین محمدؐ الامین وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین۔ امّابعد فقد قال اللهُ تبارك وتعالیٰ فی السورۃ الفتح

اعوذ باللّٰه من الشیطٰنِ الرّجیم بسم اللّٰهِ الرّحمٰن الرّحیم

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ○ ـــ

محترم ڈاکٹر صاحب نے بعدازاں اسی سورہ مبارکہ کی آیت ۱۸ اور آخری آیات ۲۷ تا ۲۹ کی تلاوت فرمائی۔ نیز ادعیہ مسنونہ و ماثورہ پڑھیں اور فرمایا:

حضرات! پچھلے جمعہ کو ہم سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصّلوٰۃ والسّلام کے مطالعہ کے سلسلہ میں غزوۂ احزاب کے ایک سال بعد عمرہ کے لئے حضورؐ کے آغازِ سفر کے ذکر تک پہنچ گئے تھے۔ یہ سفرِ عمرہ کی بجائے صلح حدیبیہ پر منتج ہوا جو ماہ ذیقعدہ سنہ ۶ھ میں منعقد ہوئی۔ یہ صلح سیرت النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم یا ہمارے زیرِ بحث موضوع کے اعتبار سے نبی اکرمؐ کی انقلابی جدوجہد میں ایک

بہت اہم موڑ (Turning Point) کی حیثیت رکھتی ہے۔ چنانچہ آج آغاز میں سورۂ فتح کی جن آیاتِ مبارکہ کی میں نے تلاوت کی ہے۔ ان میں پہلی آیت جس سے یہ سورۂ مبارکہ شروع ہوئی ہے، یہ ہے کہ:

اِنَّا فَتَحۡنَا لَكَ فَتۡحًا مُّبِيۡنًا ۙ "(اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے آپ کو ایک نہایت روشن اور واضح اور کھلی ہوئی فتح عطا فرمائی ہے"

میں چاہتا ہوں کہ صلح حدیبیہ کے بارے میں آج قدرے تفصیل سے گفتگو ہو۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ سیرت النبیؐ کا ہمارا یہ مطالعہ اس خاص زاویہ نگاہ اور نقطۂ نظر سے ہو رہا ہے کہ ہم انقلابی جدوجہد کے مراحل، مدارج اور لوازم کو سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے سمجھنا چاہتے ہیں۔ تاکہ ہمیں اپنی جدوجہد کے لئے ان سے رہنمائی حاصل ہو۔

میں پچھلی مرتبہ یہ عرض کر چکا ہوں کہ غزوہ احزاب کے بعد نبی اکرمؐ نے اہلِ ایمان سے یہ فرمایا تھا کہ: لَنْ تغزوکم قریش بعد عامکم ھٰذا ولٰکنّکم تغزونہم۔ یعنی اس سال کے بعد قریش کو یہ جرأت نہیں ہو گی کہ وہ تم پر حملہ آور ہوں۔ یہ آخری بار تھی انہوں نے تم پر چڑھائی کی ہے۔ آئندہ Initiative تمہارے ہاتھ میں ہو گا۔ یعنی آئندہ پہل تمہاری جانب سے ہو گی۔ اب اقدام تم کرو گے۔

حضورؐ کا خواب چنانچہ اگلے ہی سال ۶ھ میں آپؐ نے خواب دیکھا اور آپ کو معلوم ہے کہ نبی کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ جس میں آپؐ کو یہ دکھایا گیا کہ آپؐ اور آپؐ کے ساتھی اہلِ ایمانؓ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ اس کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک غیبی اشارہ اور حکم سمجھ کر اعلانِ عام کرا دیا کہ ہم عمرہ کے لئے جائیں گے جو ہمارے ساتھ جانا چاہے وہ چلے۔ ساتھ چلنے والے صحابہ کرامؓ کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ چودہ سو سے لے کر دو ہزار تک کی تعداد کا ذکر احادیث کی مختلف روایات میں ملتا ہے۔ تاہم زیادہ تر روایات کے مطابق تعداد چودہ سو تھی۔ ذوالحلیفہ کا مقام مدینہ سے تقریباً سات آٹھ میل باہر ہے۔ یہاں سے عمرہ یا حج کے لیے احرام باندھنے کی حد شروع ہو جاتی ہے۔ وہاں حضورؐ اور تمام ساتھیوں نے عمرہ کا احرام باندھا اور جو ھدی (قربانی) کے جانور ساتھ تھے، ان کے گلوں میں پٹے ڈال دیئے گئے جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ جانور قربانی کے ہیں۔ ان کاموں سے فارغ ہو کر آپؐ نے مکہ کی طرف سفر جاری رکھا۔ حتیٰ کہ حدیبیہ کے مقام پر جا کر پڑاؤ کیا۔ اسی مقام پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین

قریش کے مابین وہ صلح منعقد ہوئی جو تاریخ میں "صلح حدیبیہ" کے نام سے موسوم ہے اور جسے قرآن حکیم نے سورہ الفتح میں "فتحِ مبین" قرار دیا۔

اہلِ مکّہ کا ردِّ عمل

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ادھر حدیبیہ کے مقام پر قیام فرمایا، اُدھر قریش کے علم میں آگیا کہ حضورؐ عمرہ کے ارادہ سے تشریف لائے ہیں تو انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) اور ان کے ساتھیوں (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کو کسی صورت میں بھی مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ بلکہ انہوں نے اپنے تمام حلیفوں کو پیغام بھیجدیا کہ وہ سب آئیں اور قریش کی مدد کریں تاکہ سب مجتمع ہو کر اپنی پوری قوّت کے ساتھ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کا راستہ روک سکیں۔ نبی اکرمؐ کو بھی یہ خبریں پہنچ رہی تھیں۔ بدیل ابن ورقہ خزاعی بنو خزاعہ کے قبیلہ سے تعلق رکھتے تھے جو مکّہ اور مدینہ کے مابین آباد تھا۔ اس قبیلہ کا کچھ دوستانہ تعلق قریش کے علاوہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ بھی تھا۔ تو حضورؐ نے بدیل ابن ورقہ کو اس کام کے لئے مامور کیا کہ وہ مکّہ والوں کی خبر لا کر دیں کہ صورت حال کیا ہے! انہوں نے آکر خبر دی کہ قریش نے ایک بہت بڑا لشکر جمع کر لیا ہے اور ان کا عزم مصمّم ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی آپؐ کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے ان سے فرمایا کہ تم مکّہ جا کر قریش سے ہماری طرف سے کہو کہ ہمارا جنگ کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ کسی سے لڑنے بھڑنے کی ہماری کوئی نیّت نہیں ہے۔ ہم محض عمرہ کے لئے آنا چاہتے ہیں۔ اور قریش کو سمجھاؤ کہ تمہیں پہلے بھی ان جنگوں کے سلسلہ سے بہت نقصان پہنچ چکا ہے۔ اب بہتر یہی ہے کہ ہمارے اور ان کے مابین کچھ عرصہ کے لئے صلح ہو جائے اور قریش ہمیں عرب کے دوسرے قبائل سے نمٹنے کے لئے آزاد چھوڑ دیں تاکہ ہم بقیہ عرب کے ساتھ اپنے معاملات طے کر لیں۔ اسی میں خیر ہے، اسی میں بہتری ہے۔ وہ ہمیں پُرامن طور پر عمرہ کرنے دیں اور مزاحمت کا ارادہ ترک کر دیں۔ حضورؐ کے اس پیغام کے ساتھ بدیل ابن ورقہ مکّہ پہنچے۔ وہاں ان کی ایک بڑی چوپال میں جا کر جہاں قریش کے مختلف بڑے بڑے گھرانوں کے سردار جمع تھے، انہوں نے کہا کہ میں محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کی طرف سے ایک پیغام لایا ہوں۔ اگر آپ حضرات اجازت دیں تو عرض کروں!

—— شاید انہوں نے یہ انداز اس لئے اختیار کیا ہوگا کہ پہلے یہ اندازہ ہو جائے کہ قریش مکّہ کا موڈ (Mood) کیا ہے! ان کا ارادہ کیا ہے اور رجحان کیا ہے! آپ کو یاد ہوگا کہ قریش کے دو مختلف طبقات کی مزاجی و نفسیاتی کیفیات کی تفہیم کے لئے میں انگریزی زبان کی دو اصطلاحات استعمال کرتا رہا ہوں۔ ایک Hawks اور دوسری Doves۔ تو ان میں جو Hawks تھے یعنی مشتعل

مزاج اور جنگ جو لوگ، انہوں نے تو فوراً کہا کہ ہم کوئی بات سننے کے لئے نہ تیار ہیں اور نہ ہمیں اس کی کوئی ضرورت اور حاجت ہے۔ لیکن جیسا کہ میں بارہا عرض کر چکا ہوں کہ ہر طرح کے لوگ ہر دور میں ہر معاشرہ میں موجود رہے ہیں ؎ خدا پنج انگشت یک ساں نہ کرد۔ وہاں کچھ نسبتاً حلیم الطبع اور صلح جو (Doves) بھی تھے۔ انہوں نے کہا کہ نہیں! ہمیں بات سننی چاہیئے اور بدیل سے کہا سناؤ کہ محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کہتے کیا ہیں! انہوں نے حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا پیغام من وعن سُنا دیا۔

عُروہ ابن مسعود ثقفی کا مدبرانہ رویّہ

اس وقت طائف کے مشہور قبیلہ بنو ثقیف کے سردار عروہ ابن مسعود ثقفی بھی وہاں موجود تھے۔ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ مکّہ اور طائف کو جُڑواں شہروں (Twin cities) کی حیثیت حاصل تھی۔ ان کے مابین رشتہ داریاں بھی بہت تھیں اور مکّہ کے اکثر رؤسا کی جائیدادیں اور باغات بھی طائف میں کثرت سے تھے۔ اس موقع پر ان ثقفی سردار عروہ ابن مسعود نے کھڑے ہو کر کہا۔" اے قریش! کیا میں تمہارے لئے باپ کی مانند نہیں ہوں! اور کیا تم میرے بچّوں کی مانند نہیں ہو!" چونکہ معمر اور بزرگ تھے، اس لئے انہوں نے یہ انداز اختیار کیا ___ بعد میں یہ ایمان لے آئے تھے اور انہیں صحابی ہونے کا شرف حاصل ہے لہٰذا میں ان کا نام ادب سے لے رہا ہوں ___ مجلس کے شرکاء نے کہا "ایسا ہی ہے" پھر انہوں نے کہا کہ" کیا تمہیں مجھ پر اعتماد ہے کہ میں جو کچھ کہوں گا، تمہاری بہتری کے لئے کہوں گا"___ لوگوں نے جواب میں کہا کہ ہاں ہمیں اس پر بھی اعتماد ہے ___ تو انہوں نے کہا مجھے اجازت دو کہ میں محمد (صلّی اللہ علیہ وسلّم) کے پاس جاؤں اور ان سے بات چیت کروں۔ لوگوں نے اس تجویز کو قبول کر لیا۔

عُروہ ابن مسعود کی نبی اکرمؐ سے گفت و شنید!!

حدیبیہ میں جہاں حضورؐ اور صحابہؓ کا پڑاؤ تھا، عروہ وہاں آئے۔ وہ بہت ہی زیرک، دانا اور بہت ہی مدبّر انسان تھے۔ آخر ثقیف کے سردار تھے۔ جو قریش کے بعد سب سے معزز قبیلہ شمار ہوتا تھا___ وہاں پہنچ کر انہوں نے لشکر کے ماحول اور نظم وضبط کا ایک اندازہ قائم کرنے کے لئے بھرپور جائزہ لیا پھر وہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے خیمہ میں حاضر ہوئے اور سب سے پہلے تو انہوں نے خوفزدہ کرنے کا انداز اختیار کیا اور انہوں نے کہا کہ:

> "محمد! (صلّی اللہ علیہ وسلّم) ایک طرف قریش اور ان کے حلیف ہیں۔ ان کی پوری قوت مجتمع ہے___ اور ان کا فیصلہ ہے کہ وہ کسی صورت میں بھی تم کو اور تمہارے ساتھیوں کو مکّہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے، وہ اس پر تُلے ہوئے ہیں۔ اب تم

دیکھ لو کہ اگر جنگ ہوئی اور بالفرض تم نے مکّہ والوں کو ختم کر دیا تو کیا یہ کوئی اچھی بات ہوگی! اس سے پہلے کیا کسی شریف انسان کی ایسی مثال موجود ہے کہ اس نے اس طرح اپنے ہی قبیلہ کو ختم کر دیا ہو! اور اگر معاملہ برعکس ہوا تو میں دیکھ رہا ہوں کہ تمہارے ساتھ جو جمعیت ہے وہ تو مختلف قبائل سے آئے ہوئے لوگوں پر مشتمل ہے ۔ (گویا کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑہ والا معاملہ ہے) شکست اور ہزیمت کی صورت میں یہ سب تمہیں چھوڑ کر بھاگ جائیں گے ۔ ان میں سے کوئی بھی تمہارے ساتھ کھڑا نہیں رہے گا ۔"

عروہ ابن مسعود کے پیش نظر چونکہ قبائلی نظام تھا اور جانتے تھے کہ قبائل تو عموماً حمیّت قبائلی کے تحت لڑتے تھے جبکہ امر واقعہ یہی تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے اصحاب کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی جمعیت مختلف قبائل کے لوگوں پر مشتمل تھی ۔ چنانچہ عروہ ابن مسعود نے یہ بات اپنے تجربہ کی بنیاد پر کہی تھی ۔

صدّیقِ اکبر کا ردِّ عمل حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس موقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے ساتھ تھے ۔ انؓ کو عروہ ابن مسعود کی اس بات پر طیش آگیا ۔۔۔ میں یہ گمان نہیں کرتا کہ حضرت ابوبکرؓ کی پوری زندگی میں انؓ کی زبان سے کبھی کوئی ناشائستہ جملہ نکلا ہو لیکن اس وقت طیش کی حالت میں انؓ کی زبان سے عروہ کے لئے ایک عریاں گالی نکل گئی اور انہوںؓ نے کہا کہ "کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو چھوڑ دیں گے ۔ خدا کی قسم ہم انؐ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں ۔"

گالی سن کر عروہ نے پوچھا کہ "یہ کون ہیں" ۔ بتایا گیا کہ یہ ابوبکرؓ ہیں ۔ تو عروہ نے کہا کہ "ان کا مجھ پر ایک احسان ہے ۔ اگر ان کا وہ احسان مجھ پر نہ ہوتا تو آج میں انہیں اس گالی کا جواب دیتا ۔"

عُروہ کا گستاخانہ انداز اس کے بعد عروہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم سے گفتگو کرتے ہوئے یہ گستاخانہ انداز اختیار کیا کہ بار بار حضورؐ کی ریش مبارک کی طرف ہاتھ بڑھاتے ۔ وہ شاید یہ دیکھنا چاہتے ہوں کہ حضورؐ کے ساتھیوںؓ کا انداز ہے کیا ؟ ۔۔۔ حضرت مغیرہ ابن شیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحیثیت محافظ وہاں کھڑے ہوئے تھے ۔ انہوں نے عروہ کی بار بار کی یہ حرکت دیکھ کر اپنی تلوار کا دستہ ان کے ہاتھ پر مارا اور کہا کہ آئندہ یہ ہاتھ حضورؐ کی ریش مبارک تک بڑھا تو قطع ہو جائے گا ۔ واپس نہیں جا سکے گا ۔۔۔ بہرحال عروہ یہ گفتگو کر کے اور ایک انداز قائم کر کے واپس مکّہ چلے گئے ۔

عُروہ کا قریش کے سامنے اپنے تأثرات کا اظہار

مکہ پہنچ کر عروہ ابن مسعود نے قریش کے سرداروں کے سامنے جو رپورٹ پیش کی اس سے ان کے ان تاثرات کا اندازہ ہوتا ہے جو اہلِ ایمان کے لشکر کے نظم وضبط، ان کے جوش وخروش اور ان کی فدائیانہ کیفیات کو دیکھ کر ان کے دل ودماغ پر مترتب ہوا تھا۔ انہوں نے کہا:

"اے قریش کے لوگو! دیکھو، میں قیصر وکسریٰ کے ایوانوں میں گیا ہوں میں نے ان کے دربار دیکھے ہیں۔ ان کا ٹھاٹھ باٹھ دیکھا ہے۔ لیکن خدا کی قسم میں نے کسی بادشاہ کو اس کی اپنی قوم میں ایسا محترم نہیں دیکھا جیسا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اپنے اصحاب میں دیکھا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ جو لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہیں اور جتنی محبت ان کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے اور جتنی عقیدت وتوقیر اور عزت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ان کے دلوں میں ہے، اور اپنے دین کی جو حمیت اور فدائیانہ جذبہ ان کے دلوں میں ہے، وہ مجھے پوری زندگی میں کہیں بھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ میں نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وضو کرتے ہیں تو لوگ انؐ کے وضو کے پانی کو تبرک کے طور پر لینے کے لئے ٹوٹ پڑتے ہیں اگر وہ تھوکتے ہیں یا ان کے دہن سے بلغم نکلتا ہے تو لوگ اسے جھپٹ لیتے ہیں اور اس کو اپنے ہاتھوں اور چہروں پر مل لیتے ہیں۔ یہ محبت میں نے کسی قوم میں اپنے سردار اور قائد حتی کہ کسی بادشاہ تک کے لیے نہیں دیکھی۔ لہٰذا بہتری اسی میں ہے کہ تم ان سے مت بھڑو، ان سے جنگ کا ارادہ ترک کردو اور مصالحت کرلو۔"

قریش کے جوشیلے افراد کا ردِ عمل

اس پر وہاں بڑا شور دغوغا ہوا کہ ہم مصالحت کے لئے ہرگز تیار نہیں ہیں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو واپس جانا پڑے گا ورنہ خون کی ندیاں بہہ جائیں گی اور ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کسی صورت میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔ انہوں نے یہی پیغام اپنے دو دوسرے اشخاص کے ذریعے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا لیکن کوئی بات بنتی نظر نہیں آئی۔ کوئی بھی اپنے مُوقف سے ہٹنے کے لیے تیار نہیں ہُوا۔ تناؤ اور TENSION کی کیفیت برقرار رہی

کیفیت برقرار رہی۔

قریش کے رویّہ میں لچک — اور سہیل ابن عمرو کا گفتگو کے لئے تقرّر

جب قریش نے ایک طرف یہ دیکھا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کسی دھمکی سے مرعوب ہونے والے نہیں ہیں۔ دوسری طرف ان کے حلیم الطبع اشخاص نے اپنا اثر رسوخ استعمال کیا اور قریش کے سامنے خوں ریزی کے ہولناک نتائج رکھے تو بالآخر ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ اگر کوئی مصالحت ہو جائے تو وہ بہتر ہو گا۔ لہٰذا آخر کار انہوں نے مصالحانہ گفتگو کے لئے سہیل ابن عمرو کو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے پاس بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ یہ سہیل ابن عمرو ان کے بڑے متحمل اور مدبّر سرداروں میں شمار ہوتے تھے۔ چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ جب نبی اکرمؐ کو خبر ملی کہ اس مرتبہ سہیل ابن عمرو گفتگو کے لئے آئے ہیں تو حضورؐ نے فرمایا کہ اس کا مطلب ہے کہ قریش مصالحت پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ اس موقع پر نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم اور سہیل ابن عمرو کے مابین جو گفتگو ہوئی جس کے نتیجہ میں صلحنامہ حدیبیہ طے پایا اس کا ذکر میں آگے کروں گا۔ فی الحال یہ بات نوٹ کر لیجئے کہ فتح مکّہ کے بعد یہ سہیل ابن عمرو بھی ایمان لے آئے اور حضورؐ کے صحابی ہونے کے شرف سے مشرف ہوئے۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے فوراً بعد ارتداد کا جو فتنہ اٹھا اس کے اثرات مکّہ تک بھی پہنچے لیکن یہ سہیل ابن عمرو رضی اللہ عنہ نہ صرف خود ثابت قدم اور اسلام پر قائم رہے بلکہ چونکہ نہایت شعلہ بیان خطیب بھی تھے۔ لہٰذا اپنے مؤثر و مدلّل خطبات کے ذریعہ مکّہ والوں کو اس فتنۂ ارتداد سے بچانے میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا۔

مصالحت کے لئے نبیؐ اکرم کی طرف سے مساعی —

یہ تو ایک طرف کی داستان تھی جو میں نے آپ کو سنائی کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حدیبیہ کے مقام پر مقیم ہونے کے بعد بدیل ابن ورقہ خزاعی کے ذریعہ پہلا پیغام بھیجا تھا جس کے نتیجہ میں پہلے عروہ ابن مسعود حضورؐ کی خدمت میں گفتگو کے لئے آئے تھے اور اس کے بعد قریش کے چند مشتعل مزاج (Hawks) لوگ آپؐ کے پاس آئے لیکن ان کا رویّہ مصالحانہ نہیں تھا بلکہ جارحانہ اور رعب ڈالنے والا تھا۔ سہیل ابن عمرو کے آنے سے قبل نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود سلسلہ جنبانی شروع کرنے کا ارادہ فرمایا یعنی اپنے اصحابؓ میں سے کسی کو مکّہ والوں کے پاس افہام و تفہیم کے لئے بھیجا جائے تو سب سے پہلے آپؐ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ تم مکّہ جاؤ اور قریش سے مصالحت کی کوشش کرو — حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا کہ حضورؐ اب مکّہ میں میرا کوئی ایسا رشتہ دار نہیں ہے کہ جس کی امان و حمایت میں، میں مکّہ میں داخل ہو سکوں۔ ہو سکتا

ہے کہ وہ مجھے دیکھتے ہی بغیر بات چیت کے قتل کر دیں تو میں تجویز کرتا ہوں کہ میری بجائے عثمانؓ ابن عفان کو بھیجئے۔ ان کا قبیلہ بنو امیہ بہت مضبوط ہے۔ ان کے بہت سے قریبی رشتہ دار بھی وہاں موجود ہیں۔ جن میں سے کسی کی بھی امان و حمایت میں وہ مکّہ میں داخل ہو سکتے ہیں۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان ابن عفّان رضی اللہ تعالیٰ کو مکّہ جانے کا حکم فرمایا اور وہؓ تعمیلِ حکم میں مکّہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ کا مکّہ پہنچنا — اور اُنؓ کی شہادت کی افواہ کا پھیلنا

نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی جانب سے اس سفارت کے لئے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب آں جنابؓ کی بے شمار فضیلتوں میں سے ایک فضیلت ہے۔ بہر حال حضرت عثمانؓ ابھی مکّہ میں داخل نہیں ہوئے تھے کہ باہر ہی ان کو اپنے چچازاد بھائی ابان ابنِ سعید ابن عاص مل گئے۔ انہوں نے آنجنابؓ کو اپنی پناہ اور حمایت میں لے لیا اور اس طرح حضرت عثمانؓ قریش کے پاس پہنچ گئے۔ گفت وشنید کا سلسلہ دو تین روز تک چلتا رہا اگرچہ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مصالحت پر وہ کسی طرح آمادہ نہیں ہوئے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ عثمان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) اب جب تم مکّہ میں آہی گئے ہو تو ہم تمہیں اجازت دیتے ہیں کہ تم کعبہ کا طواف کر لو[1]"

گفت وشنید میں جو دیر لگی۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے دانستہ ایسے حالات پیدا کئے گویا وہ حضرت عثمانؓ کو مکّہ میں روکے رکھنا چاہتے ہیں۔ اس ایک نوع کی وہ کیفیت پیدا ہو گئی جسے آج کل کی سیاسی اصطلاح میں 'نظر بندی' سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ دریں حالات یہ خبر اڑ گئی کہ حضرت عثمانؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا گیا ہے۔

بیعتِ رضوان : بیعت علی الموت

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی جب نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کو خبر پہنچی تو آپؐ نے وہ بیعت لی جو کتبِ سیر میں 'بیعتِ رضوان' کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اور جس کا ذکر سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱۸ میں ہے۔ پہلے آیت سُن لیجئے جس سے بیعتِ رضوان' کی اصطلاح

---

[1] حضرت عثمانؓ کے مکّہ جانے کے بعد بعض اصحابِ رسولؐ نے کہا کہ "عثمانؓ کو خانۂ کعبہ کا طواف مبارک ہو" حضورؐ تک جب یہ قول پہنچا تو حضورؐ نے فرمایا کہ "مجھے یقین ہے کہ اگر عثمانؓ عرصہ دراز تک بھی مکّہ میں رہ جائیں تو بھی وہ اس وقت تک طواف نہیں کریں گے جب تک میں طواف نہ کر لوں" (مرتّب)

ماخوذ ہے :-

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِيْنَةَ عَلَيْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيْبًا ۝

"(اے نبیؐ) بے شک اللہ مومنوں سے راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے تم سے بیعت کر رہے تھے اور اُسے ان کے دلوں کا حال معلوم تھا۔ لہٰذا اس نے ان پر سکینہ یعنی قلبی اطمینان و سکون نازل فرمایا اور انعام میں ان کو فتح قریب بخشی ۔"

بیعت علی الموت

حدیبیہ کے مقام پر کوئی چھوٹا سا درخت تھا جس کے سایہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما ہو گئے اور وہاں آپؐ نے فرمایا کہ 'اب ہر مسلمان مجھ سے بیعت کرے ۔ایک عہد کرے' ـــــ اس بیعت کے بارے میں دو روایات ہمیں ملتی ہیں ۔ ایک تو یہ کہ یہ بیعت علی الموت تھی ۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "ہر مسلمان میرے ہاتھ پر موت کی بیعت کرے کہ چاہے ہم سب یہاں ہلاک ہو جائیں لیکن عثمانؓ کے قتل اور خون کا بدلہ لئے بغیر ہم یہاں سے ہرگز نہیں ہٹیں گے ۔" دوسری روایت ہے کہ اس بات پر بیعت لی گئی کہ : اَنْ لَّا نَفِرُّوْا ہم یہاں سے بھاگیں گے نہیں ۔ پیٹھ نہیں موڑیں گے ۔فرار اختیار نہیں کریں گے "۔ دونوں کا مفہوم ایک ہی ہے اور ہو سکتا ہے کہ بیعت کے اس وقت جو الفاظ ہوں ان میں یہ دونوں چیزیں شامل ہوں ـــ بہرحال اس بیعت کا جو مقصد سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ کسی حالت میں پیٹھ نہیں دکھانی ہے۔ میدان سے جان بچا کر نہیں جانا ہے ۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ جان بچانے کی چند شکلیں وہ ہیں جن کی سورۂ انفال کے اندر اجازت دی گئی ہے ۔جن کو جائز ٹھہرایا گیا ہے ۔مثلاً یہ کہ پینترا بدلنا مقصود ہو یا کوئی جنگی حکمتِ عملی (Strategy) ہو جس کا تقاضا ہے کہ پیچھے ہٹ جایا جائے ۔ تو گویا یہاں اس امر کا فیصلہ ہو گیا کہ کسی صورت میں بھی یہاں سے نہیں ہٹنا۔ اب یہاں سے کوئی Strategic Retreat یعنی جنگی حکمتِ عملی کے تحت بھی پسپائی نہیں ہے ۔ رہا جان بچا کر بھگدڑ کا معاملہ تو یہ عمل گناہِ کبیرہ میں شامل ہے ۔ گویا یہ بیعت علی الموت تھی کہ ہر شخص میدان میں ڈٹا رہے گا ۔صرف موت ہی اسے اس جنگ سے رستگاری دے سکے گی ۔

حضرت عثمانؓ کی مزید فضیلتیں

زبان ترجمانِ وحی جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بے شمار فضائل و مناقب مروی ہیں۔ ان کے علاوہ سیرت عثمانیؓ کے متعدد واقعات ہیں جو آنجنابؓ کی فضیلتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ان میں سے دو فضیلتیں وہ ہیں کہ حضرت عثمان کی عدم موجودگی کے باوجود حضورؐ نے گویا انؓ کو موجود قرار دیا۔ پہلا موقع غزوۂ بدر کا ہے۔ آنجنابؓ کی اہلیہ اور نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی لختِ جگر حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کافی علیل تھیں۔ اس لئے ان کی تیمارداری کے لیے حضورؐ نے آنجنابؓ کو مدینہ میں چھوڑ دیا تھا اور انؓ کو اس لشکر میں شامل نہیں فرمایا تھا جو اوّلاً تو ابوسفیان کے تجارتی قافلہ کو INTERCEPT کرنے کے لیے نکلا تھا۔ لیکن بالآخر غزوۂ بدر پر منتج ہوا تھا۔ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت عثمانؓ کو بدر کے مالِ غنیمت میں سے وہی حصّہ مرحمت فرمایا جو دوسرے بدری صحابہؓ کو مرحمت کیا گیا تھا۔ گویا حضورؐ نے انؓ کو مجازی طور پر اس غزوہ میں شریک قرار دیا جبکہ حقیقی طور پر وہ شریک نہیں تھے۔

دوسرا موقع حدیبیہ کے مقام پر پیش آیا۔ حضرت عثمانؓ چونکہ موجود نہیں تھے۔ لہٰذا نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خود ہی اپنا ایک دستِ مبارک دوسرے دستِ مبارک پر رکھ کر ارشاد فرمایا کہ "یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے اور یہ عثمانؓ کی طرف سے بیعت ہے۔" یہ بھی درحقیقت حضرت عثمانؓ کے فضائل میں بہت بلند مقام ہے اور یہ بہت بڑی سعادت ہے جو اس روز انؓ کو حاصل ہوئی۔

پھر یہ کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم نے خونِ عثمانؓ کے قصاص کے لئے حدیبیہ کے مقام پر موجود تمام صحابہ کرامؓ سے یہ بیعت لی ہے جن کی مختلف تعداد بیان ہوئی ہے لیکن مستند ترین روایات میں چودہ سو کی تعداد کا ذکر ہے۔ یہ بھی انتہائی اعلیٰ مرتبہ ہے جو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حاصل ہوا ہے اور جیسا کہ میں سورۂ فتح کی آیت نمبر ۱۸ کے حوالہ سے عرض کر چکا ہوں کہ یہ وہ بیعت ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی رضامندی اور خوشنودی کا اظہار فرمایا ہے۔ اور اس طرح بیعت کا یہ عظیم الشان واقعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام قرآن مجید میں ہمیشہ ہمیش کے لئے محفوظ فرما دیا ہے[1]۔

---

[1] حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فضائل و مناقب اور مظلومانہ شہادت پر محترم ڈاکٹر صاحب

(باقی اگلے صفحہ پر)

یہاں یہ ضمنی بات بھی سمجھ لیجئے کہ حضرت عثمان کے دورِ خلافت میں جب چند باغیوں نے ان تیسرے خلیفۂ راشد کو مظلومانہ طور پر ناحق شہید کر دیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو آنجنابؓ کے عہدِ خلافت میں ان لوگوں نے جو حضرتِ عثمانؓ کے خونِ ناحق کے قصاص کا مطالبہ لے کر کھڑے ہوئے تھے۔ اسی بیعتِ رضوان کے واقعہ کو بطور دلیل پیش کیا۔ چنانچہ اس قصاص کا مطالبہ لے کر کھڑی ہوئی تھیں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور انؓ کے ہمرکاب تھے حضرت زبیر ابن العوام اور حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔

اس بیعت کی ضرورت کیا تھی؟

انتہائی غور طلب بات یہ ہے کہ حضورؐ کو یہ بیعت لینے کی ضرورت کیا تھی! حضورؐ کے ساتھ جو چودہ یا پندرہ سو افراد آئے تھے ان میں سے کوئی بھی اس بیعت میں پیچھے نہیں رہا۔ صرف ایک شخص جد ابن قیس کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ اپنے اونٹ کے پیچھے چھپ کر بیٹھا ہوا تھا کہ مجھے کوئی دیکھ نہ لے اس نے بیعت نہیں کی۔ اس کے سوا بقیہ تمام لوگوں نے بیعت کی۔ اس شخص کا سفر تبوک کے ضمن میں بھی ذکر آتا ہے کہ اس موقعہ پر اس کا نفاق بالکل کھل گیا تھا۔ یہ درحقیقت منافق تھا۔ بہرحال اس بیعت کے بارے میں غور و فکر کے بعد میرا موقف یہ ہے کہ یہ درحقیقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بعد والوں کے لئے ایک سنّت چھوڑی ہے۔ ورنہ حضورؐ کے ساتھ جو اشخاص آئے تھے ان میں سے جد ابن قیس جیسا کوئی دوسرا شخص شاید ہی ہو۔ اگر حضورؐ جنگ کا فیصلہ فرما دیتے تو میں یقین سے عرض کرتا ہوں کہ ان مومنینِ صادقین میں سے کوئی شخص بھی کسی صورت میں پیٹھ دکھلانے والا نہیں تھا۔ لیکن اس کے باوجود حضورؐ بیعت لے رہے ہیں تو درحقیقت یہ اس لئے لی گئی کہ بیعت کا یہ اصول اور بیعت کا یہ عمل آنے والوں کی رہنمائی کے لئے سیرتِ مطہرہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں بحیثیت سنّت ہمیشہ ہمیش کے لئے ثبت ہو جائے۔ یہ بیعتِ رضوان اس اعتبار سے ایک نہایت روشن دلیل ہے کہ کسی خاص اور اعلیٰ مقصد کے لئے جیسے ہجرت

(باقی صہ ۸۴ پر)

(تسلسل) کا ایک مؤثر خطاب "شہیدِ مظلوم" کے عنوان سے طبع شدہ موجود ہے۔ جو مختصر ہونے کے باوجود انتہائی جامع ہے اور جس کو خواص و عوام سے بے حد خراجِ تحسین حاصل ہوا ہے۔ اس خطاب کی ہردلعزیزی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ پانچ سال کے عرصہ میں یہ تقریباً چالیس ہزار کی تعداد میں نکل چکا ہے

(مرتب)

تنظیمِ اسلامی کی خصوصی تربیت گاہ اور گیارہواں سالانہ اجتماع

ایک جائزہ اور اہم فیصلوں کا اعلان

مُرتّب : چوھدری غلام محمد (معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان)

الحمد للہ والمنۃ تنظیمِ اسلامی پاکستان کے زیرِ اہتمام ایک خصوصی تربیت گاہ کا انعقاد ۲۱ مارچ تا ۴ اپریل اور اس کے متصلاً بعد ۴ تا ۶ اپریل تنظیمِ اسلامی پاکستان کے گیارہویں سالانہ اجتماع کی تقریبات بحسن وخوبی انجام پذیر ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے اندرون و بیرونِ ملک کے بیشتر رفقائے تنظیمِ اسلامی نے ان تقریبات میں شرکت کی۔ تربیت گاہ کے دوران ہم نے رودادِ تنظیمِ اسلامی کے اہم حصص کا اجتماعی مطالعہ کیا اور اس طرح اس قافلہ کے سفرِ زندگی کے اہم معاملات اور کیفیات پر ہم نے نگاہِ بازگشت ڈالی۔ یہ مفید سلسلہ جہاں بعض نئے رفقاء کے لئے معلومات افزا اور افہام و تفہیم کا موجب ہوا وہاں پرانے اور سینیئر رفقاء کے لئے جائزہ اور احتساب کا ذریعہ بنا۔ الحمد للہ ہم نے یہ اطمینان حاصل کیا کہ اس دوران توفیقِ خداوندی سے کچھ پیشقدمی ہوئی ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ ہمارے قدم اسی راہ پر اور ہمارا رُخ اسی منزل کی جانب ہے جس کا تعین ہم نے ابتداء ہی میں قرآن و سُنّت کی روشنی میں کیا تھا، اللہ تعالیٰ کی اس عنایت خصوصی پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور آئندہ مراحل کے لئے بھی ہدایت و استقامت کے طلبگار ہیں۔ خصوصی تربیت گاہ میں پہلے ہفتہ کے دوران ہمارے شام کے اوقات بعض بزرگ نادرِ روزگار ہستیوں کی صحبت میں بسر ہوئے جو مختلف علومِ دینیہ میں مقامِ بلند پر فائز ہیں اور جن کا وجود بہت غنیمت ہے۔ دوسرے ہفتہ کے دوران شام کے اوقات انجمن خدام القرآن کے زیرِ اہتمام ہفت روزہ محاضراتِ قرآنی کے لئے مختص رہے جس میں مختلف الخیال اصحابِ فکر و نظر نے امیرِ محترم کی تالیف "استحکامِ پاکستان" پر اظہارِ خیال کیا۔ تربیتی نقطۂ نظر سے یہ پروگرام بہت مفید ثابت ہوتے۔ مزید براں تربیت گاہ کی کھلی فضا میں رفقائے تنظیم نے تنظیمی و دعوتی امور پر بھرپور اظہارِ خیال کیا اور بہت مفید تجاویز سامنے آئیں، جن کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے جناب امیرِ تنظیمِ اسلامی نے آئندہ کے لائحہ عمل سے متعلق بعض اہم مناسب فیصلے فرمائے۔ جن کا اعلان وہ بنفسِ نفیس سالانہ اجتماع میں کر چکے ہیں۔ تاہم اس خط کے ذریعہ آپ کو ان کی باضابطہ اطلاع دی جاتی ہے۔

I تنظیمِ اسلامی کے انتظامی ڈھانچہ کے متعلق امیر محترم نے مندرجہ ذیل تبدیلیوں کا اعلان فرمایا۔

۱ ۔ نائب امیر تنظیمِ اسلامی کا عہدہ ختم کر دیا گیا ہے۔

۲ ۔ میاں محمد نسیم صاحب آئندہ قیم تنظیمِ اسلامی پاکستان ہوں گے اور اندرونِ ملک تنظیمِ اسلامی کے تنظیمی و دعوتی امور کے ذمہ دار ہوں گے۔ امیر محترم کے اندرونِ ملک دوروں میں وہ امیر محترم کے ہمرکاب رہیں گے۔

۳ ۔ جناب قمر سعید قریشی صاحب قیم تنظیمِ اسلامی برائے بیرونِ پاکستان کی حیثیت سے بیرونِ پاکستان کے تنظیمی و دعوتی امور کے نگران ہوں گے اور بیرونِ ملک دوروں میں امیر محترم کا ساتھ دیں گے۔

۴ ۔ امیر محترم نے راقم الحروف کو معتمد عمومی تنظیمِ اسلامی پاکستان کی حیثیت سے مرکزی دفتر تنظیمِ اسلامی پاکستان کی نگہداشت اور متعلقہ امور کی انجام دہی کی ذمہ داری تفویض فرمائی ہے۔

II جناب امیر تنظیمِ اسلامی نے اعلان فرمایا کہ ان شاء اللہ العزیز آئندہ سال ہم اپنی بھرپور مساعی استحکامِ پاکستان کی مہم پر صرف کریں گے۔ اس مقصد کے لئے رفقاء کو چاہیئے کہ اس کتاب "استحکامِ پاکستان" کا بغور مطالعہ کریں بالخصوص اس کا اوّل و آخر تو اس پہلو سے انتہائی اہم ہے کہ یہ ہماری دعوت کا خلاصہ ہے اس کے متعلق تائیدی یا تنقیدی مضامین کا بھی وقت نظر سے جائزہ لیں ——— تحریر و تقریر سے اس کتاب کے مضامین کو اجاگر کریں۔ مذاکرہ اور تنقید و تبصرہ کی محافل کا اہتمام کریں۔ ان شاء اللہ العزیز اس کام سے وطن عزیز کی خدمت بھی ہوگی اور ہماری دعوت کے لئے بھی راستے کھلیں گے۔

III جناب امیر تنظیمِ اسلامی نے اس فیصلہ کا بھی اعلان فرمایا کہ ان شاء اللہ العزیز اب ہم مالیاتی نظام کے علاوہ اپنے نظام کو بالکلیہ نظامِ بیعت سے ہم آہنگ کریں گے نظامِ مالیات کے بارہ میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ اسکے قواعد و ضوابط واضح ہوں اور انکی پابندی کی جائے مجلسِ مشاورت ان امور پر غور کرتی رہے گی۔ مردوں اور خواتین سے بیعت کے لئے قرآن و سنت سے ماخوذ الفاظ پر مشتمل نئے بیعت فارم تیار کر لئے گئے ہیں تنظیمِ اسلامی میں شمولیت کیلئے بیعت اب اصلاً تحریری ہی ہوگی تاہم مردوں کے لئے اس کی توثیق ہاتھ میں ہاتھ دیکر بیعت کرنے کے مسنون طریقہ سے بھی جاری رہے گی تنظیمِ اسلامی کے موجودہ رفقاء کے لئے بھی ضروری ہے کہ وہ از سرِ نو جائزہ لیں۔ اگر تنظیمِ اسلامی کے مقاصد اور طریق کار سے فی الجملہ اتفاق اور آئندہ مراحل کے دوران ہجرت و جہاد فی سبیل اللہ اور سمع و طاعت فی المعروف پر پوری طرح انشراحِ صدر محسوس ہو تو وہ بھی اس نئے بیعت فارم پر دستخط فرما کر تنظیمِ اسلامی کی رفاقت کے عہد کو از سرِ نو تازہ کر لیں۔ آئندہ تنظیمِ اسلامی کے رفیق وہی شمار ہونگے جن کی جانب سے یہ نئے بیعت فارم دستخط شدہ موصول ہوں گے۔ نئے بیعت فارم کے حصول کے لیے رفقاءِ تنظیم سے التماس ہے کہ براہِ کرم اپنے

امیر تنظیم اسلامی سے رابطہ فرمائیں یا مرکزی دفتر تنظیم اسلامی پاکستان سے بذریعہ ڈاک طلب فرمائیں۔
اللہ تعالےٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

منسدم محمود
(چوہدری غلام محمود)
معتمد عمومی تنظیم اسلامی پاکستان

بقیہ : مراحلِ انقلاب

وجہاد، بیعت لینا سنّتِ ثابتہ ہے۔ ورنہ غور کیجئے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین میں کوئی شخص بھی ایسا ہو سکتا تھا کہ نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم بیعت لیے بغیر خون عثمان رضؓ کے قصاص کے لیے جنگ کا حکم دیتے تو اس سے اعراض کرتا ـــــ پھر یہی نہیں بلکہ مختلف مواقع پر اپنی مخلص و صادق صحابہ کرامؓ سے مختلف امور کے لئے حضورؐ کا بیعت لینا احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ چنانچہ انہی احادیث سے یہ اصول مستنبط ہوتا ہے کہ اعلاءِ کلمۃ اللہ، اقامت دین، اظہار دین الحق علی الدین کلّہ، تکبیرِ رب یعنی انقلاب محمدیؐ کی جد وجہد کے لئے جو ہیئت اجتماعیہ وجود میں آئے وہ بیعت ہی کے اصول پر قائم ہو۔ یہی سُنّت کا تقاضہ ہے۔ (جاری ہے)

بقیہ : رفقاء کی ذمّہ داریاں

رفقاء کی ذمہ داریوںؔ کے ضمن میں آخر میں ایک حدیث مبارک کا حوالہ دینا ضروری سمجھتا ہوں جس میں آپؐ نے فرمایا کہ روزِ قیامت کوئی شخص اس وقت تک اپنی جگہ سے جنبش نہیں کر سکتا جب تک پانچ سوالوں کے جواب نہیں دے لیتا۔ ان میں سے پہلے دو سوال زندگی بالخصوص جوانی گذارنے کے بارے میں ہیں۔ چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ ہر لمحے کا پہرہ دیں اور اس روز کی ندامت اور شرمندگی سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ کو توفیق دے کہ ہم اپنا وقت اللہ کی رضا کے مطابق صرف کریں۔

ٹی وی اور ویڈیو کیسٹ کی شرعی حیثیت

مولانا مدنی میاں

مولانا مدنی میاں ہندوستان کی مشہور خانقاہ کچھوچھا شریف سے تعلق رکھتے ہیں۔ اُنکے علم وفضل کا شہرہ یورپ میں بھی ہے۔ اکثر تبلیغی دورے فرماتے رہتے ہیں زیرنظر مضمون آپ نے ایک استفتاء کے جواب میں قلمبند فرمایا ہے۔ اور پاک و ہند کے جید علماء کرام نے اس کی تائید و توثیق بھی فرمائی ہے۔ تاہم اگر کسی صاحبِ علم کو آپ کی تحقیق سے اختلاف ہو تو ماہنامہ "تبیان" کے صفحات ان کیلئے حاضر ہیں۔

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین مسئلہ مندرجہ ذیل میں کہ ویڈیو کیمرے کے ذریعہ جو تصویریں بنائی جاتی ہیں ان پر حرمت اور شرعی ممانعت کا حکم لگے گا کہ نہیں۔ علمائے کرام کی تقاریر اور بیاہ شادی کے موقع پر تصاویر نکالنا اور ویڈیو کیسٹ پر پروگرام کو ریکارڈ کرنا یادگار کے طور پر یا علمائے کرام کی تقاریر تبلیغ وہدایت کی نسبت سے ویڈیو بنانا جائز ہے کہ نہیں

المستفتی محمد نبی بخش اشرفی نائب صدر جمعیۃ فیض الاسلام ڈین ہاگ، ہالینڈ۔

الجواب :۔ مذکورہ بالا سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ سائل ویڈیو کیمرے کی حقیقت وماہیت سے واقف نہیں ہے۔ جب ہی اس نے اس کو تصویر کشی کا آلہ سمجھ لیا ہے۔ اور اس کے خیال میں ویڈیو کیسٹ کے فیتے میں تصویریں ہوتی ہیں جنہیں ٹی وی کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے۔ حالانکہ تحقیق اس کے خلاف ہے میں نے اس سلسلے میں بذات خود ویڈیو اور ٹی وی کے مسلم وغیر مسلم ماہرین سے رابطہ قائم کیا اور معلومات حاصل کیں۔ تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہوتی ہے کہ ویڈیو کیسٹ میں کسی طرح کی کوئی تصویر نہیں چھپتی بلکہ اس کے ذریعہ اس کے سامنے والی چیزوں کو ریز (RAYS) شعاعوں کو ٹیپ کر لیا جاتا ہے۔ جسطرح آواز کو ٹیپ کر لیا جاتا ہے۔ ٹیپ ہونے کے باوجود جسطرح آواز کی کوئی صورت نہیں ہوتی بلکہ وہ غیر مرئی ہوتی ہے۔ اسی طرح ان ریز (RAYS) کی بھی کوئی صورت نہیں ہوتی جنہیں دیکھا جا سکے۔ المختصر ویڈیو کیمرہ کا کام ان غیر مرئی ریز (RAYS) اور آوازوں کو ٹیپ کرنا ہے۔ لہذا ان کو ان فلمی فیتوں پر قیاس کرنا صحیح نہیں جن میں باقاعدہ تصویریں چھپتی ہیں۔ جو دیکھی بھی جا سکتی ہے اور جنہیں پردہ سیمیں پر بڑا کر کے دکھایا جاتا ہے۔ ویڈیو کیسٹ میگنیٹک (مقناطیسی) ہوتے ہیں جو مذکورہ ریز RAYS (کرنوں) کو جذب کر لیتے ہیں پھر انہیں جذب شدہ ٹی وی سے منتقل کیا جاتا ہے تو ٹی وی ان ریز RAYS کو صورت میں بدل کر اپنے آئینے سے ظاہر کر دیتا ہے۔ چونکہ یہ صورت متحرک و غیر قار ہوتی ہے اس لئے اس کو عام آئینوں کی صورتوں پر قیاس کیا جا سکتا ہے۔

جب تک آئینے کے رُو برو رہو اس میں صورت رہے گی اور ہٹ جانے کی شکل میں ختم ہو جائیگی۔ یوں ہی جب تک ویڈیو کا رابطہ ٹی وی سے رہیگا تصویر نظر آئیگی اور رابطہ منقطع ہوتے ہی تصویر فنا ہو جائیگی۔ رہ گئی یہ بات کہ مذکورہ رابطہ پیدا کرنے کے لیے بھی بٹن وغیرہ کو حرکت میں لایا جاتا ہے تب جاکے صورت نظر آتی ہے۔ تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ پردہ آئینے میں پردہ ہٹانے کے بعد ہی صورت منعکس ہوتی ہے۔ الغرض یہاں بھی انعکاس صورت کے لئے پردہ ہٹانے کا عمل ناگزیر ہے۔ ان متحرک و غیر قار تصویروں کو پردۂ فلم کی متحرک و غیر قار تصویروں پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے کہ پردہ فلم کی تصویریں درحقیقت جامد و ساکن ہوتی ہیں۔ جن کی حرکت محض نگاہوں کا دھوکہ ہے جیسے کہ ٹرین پر چلنے والا باہر کے درختوں اور زمینوں کو پیچھے بھاگتا ہوا دیکھتا ہے۔ ویسے ہی پردۂ فلم پر جن جامد و غیر متحرک تصویروں کو بڑا کرکے دکھایا جاتا ہے ان کے غیر متحرک و جامد ہونے میں کسی کو شک نہیں ہو سکتا۔

ویڈیو کیسٹ کا معاملہ اس کے بالکل برخلاف ہے۔ اس میں کسی طرح کی کوئی تصویر منعکس ہوتی ہی نہیں اور جب اس کے ریز RAYS ٹی وی میں پہونچ کر تصویر کی شکل اختیار کرتے ہیں۔ تو وہ متحرک و غیر قار ہوتے ہیں اس لئے ٹی وی کی تصویروں کے حقیقی طور پر جامد ہونے کا شبہ تک نہیں کیا جا سکتا۔ اس مقام پر یہ بات بھی خالی از فائدہ نہیں کہ جن پروگراموں کو ویڈیو کیسٹ کے بغیر براہِ راست ٹی وی سے نشر کیا جاتا ہے ان میں بھی یہی ہوتا ہے کہ کیمروں اور مشینوں کے ذریعے ان ہی ریز RAYS کو ٹی وی ٹاور تک پہونچایا جاتا ہے۔ ٹی وی ٹاور انہیں اکٹھا کرکے ٹی وی بکس کی طرف منتقل کر دیتا ہے پھر وہی صورت ہو جاتی ہے جو ویڈیو کیسٹ کے رابطے کی صورت میں ٹی وی سے ظاہر ہوتی ہے اور سارے مناظر نظر آنے لگتے ہیں چونکہ یہ آلات جدید ہیں۔ اس لئے مذکورہ بالا تحقیق نہایت ضروری تھی اور مزید یہ کہ

- آئینے اور ٹی وی کے ناپائیدار عکوس کو حقیقی معنوں میں تصویر، تمثال، مجسمہ، اسٹیچو وغیرہ کہنا صحیح نہیں اس لئے کہ پائیدار ہونے سے پہلے عکس صرف عکس ہی رہتا ہے تصویر نہیں بنتا اور جب اسے کسی طرح سے پائیدار کر لیا جائے تو وہی تصویر بن جاتا ہے۔ اب رہ گیا فہم ناظرین کے اعتبار سے ناپائیدار عکوس کو اگر تصویر، تمثال، مجسمہ وغیرہ کا نام دیا جائے تو یہ مجاز ہوگا۔ اور ظاہر کہ جب تک حقیقت کا مراد لینا متعذر، مہجور نہ ہو۔ یا۔ مجاز مراد لینے پر کوئی واضح قرینہ نہ ہو حقیقی معنی ہی مراد لینا صحیح ہے۔

جن نصوص میں جاندار کی تصاویر و تماثیل کی حرمت مذکور ہے انہیں ان کے سر بریدہ کر دینے ٹکڑے کر دینے اور پامال کر دینے کی ہدایات بھی ہیں اور اگر وہ جائے اہانت میں ہوں تو ان کو رکھ چھوڑنے کی رخصت بھی ہے۔ اس سے اندازہ لگتا ہے کہ تصاویر ممنوعہ وہی ہیں جو حقیقی معنوں میں تصاویر ہوں یعنی پائیدار ہوں جنہیں سر بریدہ بھی کیا جا سکے جن کے عضو مٹائے بھی جا سکیں جن کے ٹکڑے ہو سکیں اور جنہیں موضعِ اہانت میں رکھا

جا سکے ۔ ظاہر ہے کہ ناپائیدار عکوس کے ساتھ ان میں سے کوئی بھی سلوک نہیں کیا جا سکتا ۔ المختصر ۔ حرمت تصاویر کے نصوص کے عموم میں سرے سے ناپائیدار عکوس داخل ہی نہیں کہ ان کو نکالنے کے لئے کسی مخصص کی ضرورت ہو۔

موجودہ معروف و متعارف آئینہ بالکلیہ انسانی صنعت گری ہے لہذا اس میں بھی عکوس کے ظہور میں قطعی طور پر جعل انسانی کا دخل ہے ۔ اس لئے اگرچہ ٹی وی کے آئینے پر عکوس کے ظہور میں جعل انسانی دخیل ہے ۔ جب بھی اس کا حکم آئینے کے عکوس کے حکم کی طرح ہی ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ غیر قار و ناپائیدار ہونے میں دونوں بالکل ایک طرح ہیں ۔

اس تحقیق کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ویڈیو اور ٹی وی کے استعمال کرنے کا معاملہ بالکل گراموفون ، ٹیپ ریکارڈ اور آئینوں کے استعمال کرنے کی طرح ہے ۔ جسطرح بالاتفاق گراموفون اور ٹیپ ریکارڈ سے ہر وہ بات سنی جا سکتی ہے جن کا سننا ان کے بغیر بھی جائز ہے اور جسطرح آئینہ کے اندر ہر اس چیز کو دیکھا جا سکتا ہے جس کا دیکھنا آئینے کے باہر بھی جائز ہے ۔ بالکل اسی طرح ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ ہر ایسی چیز کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے جسکا دیکھنا سننا اس کے بغیر بھی جائز ہو ۔ رہ گئے وہ امور جن کا دیکھنا سننا ناجائز و حرام ہو ، ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعے بھی ان کا سننا اور دیکھنا ناجائز و حرام ہے ۔ چونکہ فلموں میں بہ امر و غیرہ متوک تصاویر ہی بنیاد ہیں ۔ اس لئے اس کو دیکھنے اور سننے کے تعلق سے جائز و ناجائز کا مذکورہ بالا فرق نہیں کیا جا سکتا ۔ ہاں گر بالفرض کوئی ایسی فلم تیار کی جائے جس میں ایک بھی جاندار کی تصویر نہ ہو اور وہ حرام اور ناجائز نغمات و حرکات سے ملوث نہ ہو تو اس کو بھی دیکھنے میں بالاتفاق کوئی مضائقہ نہیں ۔ ان تفصیلات کے بعد سائل کے سوال کو سامنے رکھتے ہوئے جواب کی صورت یہ ہوئی کہ

ویڈیو کیمرے کے ذریعہ کسی طرح کی کوئی تصویر نہیں بنائی جاتی ۔ لہذا جاندار کی تصویر کشی کی حرمت اور ممانعت کے جو نصوص ہیں اس کا اطلاق اس پر ہوتا ہی نہیں ۔ بیاہ شادی کے موقع کے وہ جائز مناظر جن کو دیکھنے اور سننے میں شرعاً کوئی مضائقہ نہ ہو ۔ ویڈیو اور ٹی وی کے ذریعے بھی دیکھے اور سنے جا سکتے ہیں ۔

اس صورت میں اس بات کی احتیاط ضروری ہے کہ آج کل شادی بیاہ میں بے پردگی و بے حجابی کے سبب عورتیں ہر پروگرام میں پیش پیش نظر آتی ہیں اور گاتی بجاتی بھی ہیں ویڈیو کو ان مناظر سے بچایا جائے ۔ اس لئے کہ جسطرح نامحرموں کے سامنے ان کا آنا اور نامحرموں کو ان کا دیکھنا اور ان کا گانا سننا حرام و ناجائز ہے ۔ اسیطرح ٹی وی پر بھی ان کو دیکھنے اور ان کے گانے بجانے کے سننے کا یہی حکم رہیگا ۔ علماء کرام کی تقاریر نیز دینی و مذہبی پروگرام کا نشر و اشاعت کے لئے ویڈیو کا استعمال بالکل جائز ہے ۔ بلکہ جن علاقوں میں کوئی گھر ٹی وی سے خالی نہ ہو اور لوگ غیر شرعی پروگرام دیکھ دیکھ کر اپنے اخلاق و کردار کو خراب کر رہے ہوں ۔ نیز ان کے بچے بھی دیکھا دیکھی اس روش

پر چل رہے ہوں۔ نہایت مناسب عمل ہوگا اگر ویڈیو کے ذریعے تبلیغ وہدایت اور تعلیم واصلاح کا کام انجام دیا جائے۔ اس طرح ایک طرف لوگوں کوٹی وی کے صحیح استعمال سے روشناس کرایا جاسکتا ہے۔ تو دوسری طرف حدود شرع میں رہ کر عظیم تعمیری کام بھی انجام دیئے جاسکتے ہیں۔

انا الفقیر الی حضرۃ الرب الغنی السید محمد مدنی الاشرفی الجیلانی، جانشین مخدوم الملت حضور محدث اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان کچھوچھا شریف ضلع فیض آباد، یوپی۔

مولانا مدنی میاں کے اس فتوے کی تائید ہندوستان کے مفتی شریف الحق امجدی صاحب ادارہ شرعیہ پٹنہ بہار کے مفتی عبدالواحد صاحب اور دارالعلوم غریب نواز الہ آباد کے مفتی شفیق احمد صاحب مدظلہم العالیہ نے بھرپور طریقہ سے کی ہے اور پاکستان کی مشہور علمی شخصیت حضرت مولانا احمد سعید کاظمی شیخ الحدیث انوارالعلوم ملتان نے تائید کے ساتھ ساتھ مولانا مدنی میاں کو مندرجہ ذیل مکتوب تحریر فرمایا

رئیس المحققین حضرت علامہ سید محمد مدنی الاشرفی الجیلانی دامت معالیہم

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ تعالیٰ وبرکاتہ۔ مزاج اقدس؟

حضرت کا مکتوب گرامی شرف صدور لایا۔ یادفرمائی کا بے حد شکریہ۔ جناب کے ارسال کردہ استفتاء و فتاویٰ کو بغور سنا۔ تینوں فتاویٰ حضرت کی فہم و ذکاء اور تحقیق وجستجو کا منہ بولتا شاہکار ہیں۔ بے شک جناب کی ذہانت اور استنباط لائق صد ستائش اور قابل تحسین و آفرین ہیں۔ آپ نے جس آسانی سے ایسے مشکل مسائل کو عام فہم انداز میں ڈھال کر حل فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حق ہے۔ بزرگان دین اور علماء امت کے مختلف اقوال کو جس عمدگی سے بیان فرمایا ہے۔ اور جس حسن وخوبی سے نبھایا ہے وہ آپ کے انشراح صدر اور علوم عقلی ونقلی مہارت تامہ کا مظہر اتم ہے۔ خصوصاً طرز استدلال اور انداز تحریر باعث رشک ہیں۔

میں ہرسہ فتاویٰ میں آپ سے متفق ہوں۔ بالخصوص ویڈیو کیسٹ ٹی وی اور فلم کے بارے میں جس قدر عرق ریزی سے جناب نے تحقیق فرمائی ہے اور پھر جس خوبصورتی سے ان حقائق کی روشنی میں جائز اور ناجائز صورتوں میں امتیاز کرتے ہوئے فتویٰ قلمبند فرمایا وہ قابل تقلید ہے۔ اسی طرح فوٹو کے مسئلے میں بھی حضرت نے علماء اہلسنت کے تمام اقوال کو پیش نظر رکھتے ہوئے ممنوع اور ناجائز صورتوں کو ممتاز فرماکر آپ نے حق واضح فرمادیا۔

نماز عشا کے اوقات کے مسئلے میں میں نے بھی ایک فتویٰ مرتب کیا تھا۔ جو پیش خدمت ہے۔

میں بارگاہ عظمت پناہ میں صمیم قلب سے دعاگو ہوں کہ آپ جیسے اہل علم اور صاحب فہم وذکا حضرات کا سایہ اہلسنت پر تادیر قائم رہے۔ اللہ تعالیٰ جل شانہ آپ کا حامی وناصر ہو۔ والسلام مع الاحترام

سید احمد سعید کاظمی

بشکریہ ماہنامہ "تقیبات" کراچی مارچ ۱۹۸۶ء

بقیہ : عرضِ احوال

فراہم کرتا ہے جو روس کو مسلمانوں کا ہمدرد سمجھتے ہیں۔ اگر روس واقعی لیبیا کا ہمدرد اور حلیف ہے تو اب تک اُس نے زبانی جمع خرچ کے علاوہ امریکہ کے خلاف کونسی عملی کارروائی کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ اسرائیل کو تربیت یافتہ افرادی قوت بہم پہنچانے والے سب سے بڑا ملک روس ہے اور افغانستان میں لاکھوں مسلمانوں کے خون سے اُس کے ہاتھ رنگین ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اب وقت آگیا ہے کہ تمام مسلم ممالک سُرخ اور سفید سامراج کی بساط پر مہروں کا کردار ادا کرنے کی بجائے اسلام کی بنیاد پر متحد ہو جائیں کیونکہ روس اور امریکہ دونوں ہمارے دشمن ہیں اور بوقتِ ضرورت مسلمانوں کو لالچ اور خوف کے ذریعے اپنے مقاصد کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مسلمانوں کا عالمی افق پر ایک قوت کی صورت میں اُبھر کر آنا ہی وقت کا اہم تقاضا ہے اور اسی میں دُنیا کی غریب اقوام کی بقاء اور سلامتی پوشیدہ ہے ۔"

اِس سال ۱۱ر مارچ کو مرکزیہ مجلسِ اقبال کے تحت یومِ اقبال کے جلسے میں محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو خصوصی دعوت دی گئی تھی۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے اس موقع پر اپنے خیالات کو منضبط طور پر ایک تحریر کی شکل میں پیش فرمایا۔ موصوف کی یہ تحریر بھی شاملِ اشاعت ہے۔ اِس اہم جلسے کی ایک مختصر رپورٹ ہمارے ہمارے معاونِ کار مقبول الرحیم مفتی صاحب نے تیار کی ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

"بیا بہ مجلسِ اقبال و یک دو ساغر کش"

مرکزیہ مجلس اقبال نے اپنی دیرینہ روایت کے مطابق اس سال بھی ۱۱ر اپریل کو یومِ اقبال کے موقع پر ایک نشست کا اہتمام کیا اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو بھی دعوتِ خطاب دی۔ اپنی گوناگوں مصروفیات اور پہلے سے طے شدہ پروگرام کے باوجود "صاحبینِ مجلس" یعنی پروفیسر مرزا محمد منوّر اور مدیر نوائے وقت جناب مجید نظامی

کے خلوص اور فکرِ اقبال سے اپنے قلبی اور عملی تعلق کی بنا پر ڈاکٹر صاحب کے لیے انکار کرنا ممکن نہ ہُوا۔ لیکن اپنے انقلابی اور عملی مزاج کے باوصف جب ڈاکٹر صاحب شریکِ مجلس ہوئے تو اِس شان کے ساتھ کہ ایک گھنٹے کی طویل تقریر ۴۴ صفحات پر مشتمل کتابچے کی صورت میں ایک خوب صورت لفافے میں بند" ہدیہ یومِ اقبال" کے طور پر سامعین کے ہاتھوں میں تھی۔

جس طرح عشق کی ہر منزل میں دو چار بہت سخت مقام آتے ہیں، اسی طرح " حاملانِ فکرِ اقبال (جنہیں عرفِ عام میں" اقبالیے" بھی کہا جاتا ہے) کی راہ میں بھی عمل کی دشوار گھاٹی آتی ہے۔ ڈاکٹر اسرار صاحب نے اپنے خطاب میں جسے آپ آئندہ صفحات میں ملاحظہ فرمائیں گے" سخن گسترانہ" انداز میں انہیں آمادۂ عمل کرنے کے لیے اُن کی بے عملی کا تذکرہ بھی کیا۔ ڈاکٹر صاحب تو مصرع طرح دے کر کراچی چلے گئے لیکن اُن کے جاتے ہی جناب مفتی طفیل گوندی صاحب نے اِس پر احرار کے انداز میں گرہ لگائی تو سامعین نے انہیں کچھ اِس انداز میں داد دی کہ وہ اپنی غزل مکمل نہ کر سکے۔ بات صاف ہے کہ ہر شخص شورش کاشمیری نہیں بن سکتا۔ شورش ایسے سپوت اور پھر وہ بھی پنجاب کی مٹی سے روز روز تو پیدا نہیں ہو سکتے۔ جناب گوندی صاحب کے بعد مجلس کا رنگ جمانے کے لیے آزاد بن حیدر صاحب کو دعوت دی گئی۔ انہوں نے فی الواقع اپنی ذاکرانہ خطابت سے لوگوں کو نعرہ ہائے تحسین بلند کرنے پر مجبور کر دیا۔ آزاد بن حیدر جب یہ کہہ رہے تھے کہ ہم نے اُن لوگوں کا کیا بگاڑ لیا جنہوں نے پاکستان توڑا تھا کہ اب ہم توڑنے کی دھمکی دینے والوں کو للکار رہے ہیں تو میرے ذہن میں کسی کا یہ شعر گونج رہا تھا کہ ؎

ہم ایک لاکھ تھے ہم نے تو سر جھکا ڈالے
حسین رضؓ تیرے بہتر سروں کو لاکھ سلام

استاذِ محترم پروفیسر مرزا محمد منور مائیک پر تشریف لائے تو ہال کئی منٹ تک تالیوں سے گونجتا رہا۔ پروفیسر صاحب نے اپنے مخصوص مشفقانہ اور استادانہ انداز میں تقریر نہیں گفتگو کا آغاز اِن الفاظ سے کیا کہ ڈاکٹر صاحب نے ہمیں غیرت دلائی ہے تازیانہ لگایا ہے اور دھمکی دی ہے کہ اب بھی اگر ہم منتشر رہے بکھرے رہے

تو زیادہ ہونے کے باوجود کم ہی رہیں گے ۔مرزا صاحب کی ساری گفتگو بھی ایک تازیانہ تھی عمل کا پیغام تھی، اتحاد کی دعوت تھی لیکن اس عہدِ ہوسناک و ہوس پرور میں "فغانِ درویش" سننے کی فرصت کسے میسر ہے ۔ بقول پروفیسر صاحب جملہ حامیانِ دین و مفتیانِ شرعِ متین حسبِ سابق وحسبِ معمول "جیت کر ہارنے" کی تیاریوں میں دن رات ہمہ تن مصروف ہیں ؂

ناخدا مستِ طرب اہلِ سفینہ مدہوش سر پہ اُمڈا ہوا طوفان ہے خدا خیر کرے

پسرِ اقبال جناب جسٹس جاوید اقبال سخن گوئی پر آئے تو بہت سے سخن فہموں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی اُن کے دل میں ہے

جسٹس جاوید فرما رہے تھے کہ اتحاد کے ترانے تو ہم گذشتہ چالیس برس سے سُن رہے ہیں لیکن عروسہ اتحاد ہے کہ حجلۂ عروسی سے برآمد ہی نہیں ہوتی - اتحاد کی رسّی ہے کہ ٹوٹتی تو روز ہے لیکن جڑنے کا اہتمام دکھائی نہیں دیتا — اسلام نافذ ہوتا ہے مگر اس کی برکات نازل نہیں ہوتیں بلکہ کوڑے برستے ہیں - ضرورت اِس امر کی ہے کہ ہم فکرِ اقبال کی روشنی میں اسلام کی تعزیرات وحدود کی بجائے ایسا اسلام نافذ کریں جس کے نفاذ کے بعد مدینے کی گلیوں میں زکواۃ لینے والا نہیں ملتا تھا- پسرِ اقبال کا کہنا تھا کہ جب تک حرف " قل العفو" میں پوشیدہ حقیقت عمل کا روپ نہیں دھار لیتی اسلام کا اور پیغام اقبال کا منشا پورا نہیں ہو سکتا-

صدرِ مجلس جناب قاضی عبدالمجید عابد کو صدارتی کلمات کہنے کے لیے زحمتِ کلام دینے سے قبل سٹیج سیکرٹری نے سامعین کے موڈ اور مقررین کے تیور دیکھ کر یہ وضاحت کرنا ضروری سمجھا کہ ہم نے قاضی عابد صاحب کو اِس لیے صدرِ مجلس نہیں بنایا کہ وہ " وفاقی وزیر" ہیں بلکہ فکرِ اقبال سے اُن کا رابطہ اتنا گہرا ہے کہ وہ اِس مجلس کی صدارت کے اہل ہیں - جناب قاضی عابد نے اپنے خطاب کا آغاز بھی اسی قسم کے جملوں سے کیا لیکن پھر انہوں نے جو تقریر فرمائی وہ "سیاسی کہہ مکرنی" کا شاندار نمونہ تھی - اِس میں خود ستائی بھی تھی، حریفوں پر دشنام بھی تھا، اور سب سے بڑھ کر صاحبانِ اقتدار یعنی صدرِ مملکت و چیف آف آرمی سٹاف جنرل محمد ضیاء الحق

اور اُن کے نامزد کردہ وزیرِ اعظم جناب محمد خان جونیجو کی مدح و ثناء بھی — اگر میں اس بات کا تذکرہ نہ کروں تو ناانصافی ہوگی کہ وزیرِ موصوف کے خطاب میں بقدرِ اشک بلبل ذکرِ اقبال بھی تھا۔ ایک موقعے پر تو بالکل ایسا محسوس ہوا کہ جیسے ہم "یومِ اقبال" کے جلسے کی بجائے جی ایم سیّد کی "برسی" میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ قصہ مختصر یہ کہ انہوں نے اپنی صدارت کا پورا پورا فائدہ اُٹھایا اور دوسرے روز کے اخبارات کی سرخیوں میں یہ سرخی بھی شامل تھی کہ "وزیرِ اعظم جونیجو قد و قامت میں قائدِ اعظم سے مشابہت رکھتے ہیں"۔ خدا سے دعا ہے کہ وہ قائدِ اعظم کی مغفرت فرمائے اُن کے درجات بلند فرمائے مگر اُن کی روح کو جناب قاضی عبدالمجید عابد کے اس بیان کی خبر سے محفوظ رکھے۔

⁂

قرآن اکیڈمی میں ۳۱ مارچ سے ۳ اپریل تک رفقائے تنظیم کی اپنے مقصد کی تذکیر اور اپنے افکار و نظریات کی تطہیر نیز اسلامی سیرت و کردار کی تعمیر کے لیے جو تربیت گاہ منعقد ہوئی تھی اور اس سے متصلاً بعد تنظیم اسلامی کا جو گیارہواں سالانہ اجتماع از ۴ تا ۶ اپریل منعقد ہوا تھا، کا مختصر جائزہ اور اس اجتماع کے اہم فیصلے بھی شمارہ ہذا میں قارئین کی نظر سے گزریں گے۔ رضائے الٰہی کے حصول کے پیشِ نظر اپنے جملہ دینی فرائض کی انجام دہی میں ممد و معاون ہونے کے لیے تنظیم اسلامی کے نام سے جو قافلہ ترتیب پا رہا ہے، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قافلے میں وسعت عطا فرمائے۔ شریکِ سفر رفقاء میں للّٰہیت اور نہ صرف آپس میں محبت و اُنس بلکہ پوری نوعِ انسانی کے لیے ہمدردی، نصح اور خیر خواہی کے جذبات صادقہ کو پروان چڑھائے اور وہ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

حسبنا اللہ ونعم الوکیل و نعم المولیٰ ونعم النصیر

احقر
جمیل الرحمٰن عفی عنہ

افکار و آراء

تنظیمِ اسلامی کے رفقاء کی ذمّہ داریاں اور اُنکے مسائل

مرزا محمد ایوب بیگ

امیرِ محترم و رفقاء گرامی! السلام علیکم۔ میری گفتگو کا عنوان ہے "رفقاء اور ناظمین کی ذمہ داریاں اور ان کے مسائل"۔ علاوہ ازیں میں ایک ایسے پہلو کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں جو میرے اور چند دوسرے رفقاء کے نزدیک تنظیم کے لٹریچر اور اس کے پلیٹ فارم سے ہونے والی تقاریر میں بُری طرح ignore ہوتا رہا ہے۔

رفقاء کی ذمّہ داریاں

رفقاء کی ذمہ داریوں کے ذیل میں میں ان سے کیا عرض کرنا چاہتا ہوں اس کا تعین بڑی آسانی سے ایک خوبصورت قول، ایک تشبیہ اور ایک تاریخی واقعہ سے ہو جائے گا جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔
قول یہ ہے "کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ کوئی قوم اللہ کی راہ میں جہاد چھوڑ دے اور اللہ اس پر ذلت مسلط نہ کر دے"
اور مثال جو امام غزالیؒ نے ایک جگہ دی ہے جس کا اصل مقصد انسان بالخصوص مسلمان کو یہ جتلانا ہے کہ تو یہ کیوں بھول گیا کہ تجھے دنیا میں بھیجنے کا اصل مقصد کیا ہے! آپ لکھتے ہیں کہ ایک شخص فریضۂ حج ادا کرنے گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا ہے اور وہاں جا کر گھوڑے کی دیکھ بھال اور اس کے کھانے پینے کے بندوبست میں زیادہ وقت صرف کرتا ہے اور مناسکِ حج ادا کرنے میں غفلت اور تساہل برتتا ہے۔ حصولِ مقصد کے اعتبار سے اس شخص کے طرزِ عمل کو کیا کہا جائے گا۔ تاریخی واقعہ ایک مقالے کا اقتباس ہے جو مولانا عبدالرؤف صاحب رحمانی جھنڈانگری نے مرکزی دارالعلوم بنارس کی ایک کانفرنس میں پڑھا تھا۔ اسے میں حرف بہ حرف نقل کر رہا ہوں۔

مولانا شبلی مرحوم نے جب ندوۃ العلماء جاری کیا تو اس کو بلند معیار پر لے جانے کے لئے گورنمنٹ سے کچھ مالی امداد کے طالب ہوئے تو ان کو یو پی کے گورنر سر جیمز ہوٹ نے بلا کر کہا کہ اگر آپ ندوۃ العلماء کے نصاب تعلیم میں سے سورۃ انفال، سورۃ توبہ، سورۃ ممتحنہ اور سورۃ صف نکال دیں اور حدیث کے درس کو لازمی جز قرار نہ دیں تو انگریز گورنمنٹ کم از کم ایک لاکھ روپیہ سالانہ گرانٹ دینے کے لئے تیار ہے۔ مولانا شبلیؒ نے انگریز کی اس شرط کو پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ ظاہر ہے انگریز نے یہ شرط کیوں رکھی۔ ان سورتوں کا مرکزی مضمون ہجرت و جہاد ہے۔ دوست اور دشمن سب جانتے ہیں کہ اگر مسلمان قوم اس راہ پر پڑ گئی تو دین کے دشمنوں کی خیر نہیں۔

رفقاء گرامی میں سمجھتا ہوں کہ خرابی کی بنیاد یوں پڑتی ہے کہ ہم بالخصوص نئے رفقاء جب بیعت کرتے

ہیں تو اس کا ذکر یا تو اہلِ خانہ سے کرتے ہی نہیں اور اگر کرتے بھی ہیں تو ڈرتے ہوئے انتہائی سرسری انداز میں جیسے یہ کوئی خاص واقعہ ہوا ہی نہیں اور نہ ہی ان کے روزمرہ کے معمولات متاثر ہوں گے۔ نتیجتہً یا تو وہ شروع ہی سے اس تاثر کو قائم رکھنے کے لئے اجتماعات میں کم از کم شریک ہوتے ہیں اور غیر فعال کہلواتے ہیں اور اگر اس کے برعکس اپنا وقت تنظیم کو دیتے ہیں جو اہلِ خانہ کے لئے غیر متوقع ہوتا ہے اور گھر میں سخت کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ اور اسے کبھی گھر والوں کے سامنے اور کبھی ناظم کے سامنے شرمندہ ہونا پڑتا ہے۔ ہونا یہ چاہیئے کہ اپنی تنظیمی مصروفیت کے بارے میں گھر میں بانگِ دہل اعلان کرتے رہیں اور اسے کسی بھی لحاظ سے کمتر کام نہ جانیں۔ خود اعتمادی پیدا کریں اور اپنے بارے میں گھر میں یہ تاثر پیدا کریں کہ یہ شے ممکن ہے۔ لیکن اس کا اب اس راستہ سے ٹلنا ممکن نہیں۔ Routine کے اجتماعات اپنے اہلِ خانہ کو بھی ازبر کروا دیں۔ اس کے کئی فوائد ہیں مثلاً ہم سب انسان ہیں کسی وقت خود بھول سکتے ہیں کہ یہ کسی اجتماع کا وقت ہے۔ گھر والے آپ کو ایسے موقع پر یاد دلا دیں گے۔ ہر وقت اس تاک میں رہیئے کہ گھر کا کوئی کام جو آپ کے ذمے ہے اسے پہلے ہی سے اس طرح Adjust کریں کہ دونوں متاثر نہ ہوں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ مستعدی اور خوش دلی سے گھریلو ذمہ داریاں ادا کریں۔ ایک بات جو انتہائی خطرناک ہے لیکن ہمارے قومی کردار کا حصہ بن چکی ہے۔ وہ ہے وقت کا کاٹنا یا گزارنا اور ایسے اشتغال میں وقت صرف کرنا جن میں دین و دنیا کسی کا بھلا نہ ہو اس فتنہ سے جتنا ممکن ہو سکے بچیں۔ تنظیمی امور کی انجام دہی کے لئے وقت اپنے آرام اور ذاتی امور میں سے نکالئے۔ شفیق باپ، فرمانبردار بیٹے اور خیر خواہ و ہمدرد بھائی بنیئے۔ آپ کا یہ طرزِ عمل تنظیمی امور کی انجام دہی میں آپ کے لئے سہولت پیدا کرے گا اور انشاء اللہ اہلِ خانہ خود آپ کو کوئی ذمہ داری سونپنے سے پہلے آپ کی تنظیمی مصروفیت کا لحاظ رکھیں گے۔ قصہ مختصر گھروں میں بھی معاملہ کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر چلتا ہے اور اگر آپ نے دین کی سرفرازی کے لئے جدوجہد کو زندگی کا مقصد بنا ہی لیا ہے اور پہلے ہی قدم پر یعنی گھر والے رکاوٹیں کھڑی کرنے لگے ہیں تو میرے نزدیک اس کا یہی حل ہے کہ یہ بات ذہن نشین کر لیں کہ گھر والوں کے تو مجھ پر حقوق ہیں لیکن میرا کوئی حق اپنی ذات کے لئے ان پر نہیں صرف فرائض ہی فرائض ہیں اور میرا حق تو صرف اللہ ہی کے ذمہ ہے جس کے دین کی سربلندی کے لئے میں اپنی ذات کے حقوق سے دست بردار ہوا ہوں۔ اسی بات کو گھر سے باہر خاندان اہلِ محلہ اور معاشرہ تک وسیع کر لیں یعنی یہی طریقہ کار وسیع تر حلقہ میں اپنائیں۔ ظاہر ہے کہ آپ کا دائرہ کار شریعت سے باہر نہیں ہوگا۔ میں دعویٰ تو نہیں کر سکتا کہ صد فی صد کامیابی ہوگی البتہ یہ کہہ سکتا ہوں کہ آپ کے کام کی راہ میں رکاوٹوں کے دور ہونے کے روشن امکانات پیدا ہو جائیں گے۔ یہ روشنی بھی ہمیں دراصل سرچشمہ نور و ہدایت نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کی مبارک سیرت ہی سے ملتی ہے۔ آپ نے بھی اپنے آپ کو ایک طرح لوگوں کے حوالے کر دیا ہوا تھا جس

نے جس طرح چاہا ستایا لیکن آپ کی ذات سے لوگوں کے لئے بھلائی ہی برآمد ہوئی۔

رفقاءِ گرامی اب اگر ہم نے اللہ کے فضل و کرم سے دین کے لئے وقت نکال ہی لیا ہے تو میرے نزدیک ہمارے ذمہ اصل کام کیا ہیں۔ اوّل یہ کہ جماعت کے نظم و ضبط کی پابندی اس معاملے میں آئیڈیل صورت حال تو یہ ہے کہ سنو اور اطاعت کرو اور ہر شے پر حکم کو ترجیح دو یعنی کشتیاں جلا کر کود جاؤ اور کم تر درجہ یہ ہے اور میں خود کو بھی اس کمتر مقام پر بغیر کسی غیر ضروری عاجزی اور انکساری کے پاتا ہوں وہ یہ کہ جب بھی کسی حکم پر عمل کرنے میں کوئی عذر حائل ہو تو انتہائی دیانت داری اور غیر جانب داری سے خود کو اپنے ضمیر کی عدالت میں کھڑا کر لیں ضمیر سے جو صدا فوری طور پر آتی ہے اکثر و بیشتر درست ہوتی ہے وقت گذرنے کے ساتھ نفس کے شر کے سہارے انسان بہت سی تاویلات گھڑ لیتا ہے۔ مجھے یقین ہے بلکہ ذاتی تجربہ کی بنیاد پر عرض کرتا ہوں کہ اس مقام پر رہ کر بھی کوئی رفیق سال بھر میں ایک دو بار سے زیادہ حکم عدولی کا مرتکب نہیں ہوگا۔ البتہ ہر حال میں پہلا درجہ بطور آئیڈیل کے سامنے رہنا چاہیئے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ ہم کٹی پتنگ یا درخت سے گرے ہوئے پتے کی طرح نہ ہوں کہ ہوائیں جس طرح چاہیں اڑاتی پھریں بلکہ استقامت کے پہاڑ بنیں تاکہ بادِ مخالف اگر ٹکرائے بھی تو اپنا ہی رُخ بدلنے پر مجبور ہو جائے۔

ایک رفیق کے لئے کرنے کا اصل کام کے ذیل میں دوسری گذارش پہلے بھی ایک دو بار بلکہ اس سے بھی زیادہ مرتبہ آپ کے گوش گذار کر چکا ہوں اور پھر عرض کرنا ضروری سمجھوں گا۔ وہ یہ کہ ایک رفیق کے لئے لازم ہے کہ وہ عوام میں کام کرے اور تنظیم کی افرادی قوت میں اضافہ کے لئے زبردست جد و جہد کرے اور فرداً فرداً لوگوں کے دلوں پر اس دعوت کی دستک دے۔ بڑے افسوس سے یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ اجتماعات میں بڑی پابندی کے ساتھ آنے والے رفقاء بھی اس طرف توجہ نہیں دیتے جب تک مناسب افرادی قوت حاصل نہیں ہوتی بڑی بڑی تجاویز اور منصوبے صرف کاغذوں پر ہی دوڑتے اور پھیلتے نظر آئیں گے۔ بلاشبہ Right is might میں ہمیں پورا پورا یقین ہے لیکن اگر might پیدا یا حاصل کرنے میں ناکام رہے تو از روئے قرآن یہ کوتاہی ہے اور باطل کو غالب ہونے یا رہنے کا موقع مہیا کرنے کے مساوی ہے۔ برٹرینڈ رسل کے ایک قول کی ترجمانی آپ کے سامنے کئے دیتا ہوں۔ وہ کہتا ہے کہ اگر مجھے آپ دنیا کی طاقتور ترین فوج اور اس کے لئے وسائل مہیا کر دیں تو میں ثابت کر دوں گا کہ ۲+۲ = ۳ اور ــــــ Water is freezed by boiling۔ چنانچہ ہمیں چاہیئے کہ اپنے وقت کو اس طرف بھی صرف کریں۔ اس میں ہمیں ایک سہولت یہ بھی ہے کہ اس کام کے لئے کسی خاص وقت کی پابندی نہیں ہے بلکہ ہم اپنی سہولت کے مطابق فارغ وقت کو اس طرف لگا سکتے ہیں۔

(باقی صہ ۸۴ پر)

Coca-Cola
Coca-Cola is it!
TRADE MARK REGD.
"COCA-COLA" AND THE TRADE-MARKS
THE COCA-COLA COMPANY.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ

ایک اور اعزاز

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے گزشتہ سالوں کی طرح ۸۳-۱۹۸۲ء کے دوران
بھی ہماری بہترین برآمدی کارکردگی اور وطن عزیز کے لیے کثیر زرمبادلہ کمانے پر فیڈریشن آف
پاکستان چیمبرز آف کامرس اینڈ انڈسٹری کی جانب سے ہم ایک بار پھر

بہترین برآمدی کارکردگی کی ٹرافی

کے مستحق قرار پائے

یہ ٹرافی جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب صدر پاکستان نے ایک پُروقار تقریب میں اپنے ہاتھوں سے ہمیں عطا فرمائی۔

ہمیں خیمے۔ ترپالیں اور کینوس کی دیگر مصنوعات کے سب
سے بڑے برآمد کنندگان ہونے کا بجاطور پر شرف حاصل ہے۔

حاجی شیخ نورالدین اینڈ سنز لمیٹڈ

پاکستان میں کینوس مصنوعات کے سب سے بڑے برآمد کنندگان

ہیڈ آفس: حفیظ چیمبرز، ۸۵۔ شاہراہ قائد اعظم، لاہور (پاکستان)
فون: ۳۰۶۴۶۸ - ۳۰۵۴۶۹، تار: شاہی خیمہ ٹیلکس: 44543 NOOR PK
ایکسپورٹ آفس: ۶۱۶ - ۶۱۴ کامرس سینٹر، چھٹی منزل، حسرت موہانی روڈ۔ کراچی (پاکستان)
فون: ۲۱۳۵۴۰ - ۲۱۴۳۸۷، تار: 'TARPAULIN' ٹیلکس: 25480 NOOR PK

Regd. L. No. 7360

MONTHLY **"MEESAQ"** LAHORE

Vol. 35	MAY 1986	No. 5

Siddiq Sons Industries Ltd.

Largest Manufacturers & Exporters of :

WATERPROOF COTTON CANVAS, TARPAULINS, TENTS, WEBBING AND OTHER CANVAS PRODUCTS,

HEAD OFFICE :

5-C, 5th FLOOR, SIDCO EVENUE CENTRE
264-R. A. LINES, KARACHI (PAKISTAN)

2 - K GULBERG II, SHAHRAH-E-IQBAL, LAHORE.
TELEFHONE : 870512 880731